ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

2

فروری 2004ء
ذوالحجۃ ۱۴۲۴ھ

الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ
لبیک اللھم لبیک

یوم الحج کا ورود مقدس

غازی عبدالقیوم شہیدؒ

عظمت موت کے دروازے پر

یا اخی........!

عراق میں امریکہ کا مستقبل؟

مرزا قادیانی کا دعویٰ مہدویت

اپنے محسنوں کی تحقیر نہ کیجئے

قربانی کے احکام ومسائل

روشنی، پھول، صبا.....!
(سفرنامہ حجاز کا ایک ورق)

اخبار الاحرار

نورِ ہدایت

القرآن

''پہلا جو گھر لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے مقرّر کیا گیا تھا، وہی ہے جو مکّے میں ہے۔ بابرکت اور جہان کے لئے موجبِ ہدایت۔ اِس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جو شخص اِس (مبارک) گھر میں داخل ہوا، اُس نے امن پالیا۔ اور لوگوں پر اللہ کا حق (یعنی فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھّے، وہ اِس کا حج کرے۔ اور جو اِس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو خدا بھی اہلِ عالَم سے بے نیاز ہے۔''

(سورۃ آل عمران، آیت 96'97)

الحدیث

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بہترین کون سا عمل ہے؟ فرمایا ''اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا'' عرض کیا گیا ''اُس کے بعد'' فرمایا ''راہِ خدا میں جہاد کرنا'' عرض کیا گیا ''اُس کے بعد'' فرمایا ''حج مبرور''

(بخاری شریف)

الآثار

''یہ مکہ اُن زندہ و پائندہ انسانوں کا گھر ہے، جو بظاہر ہم میں نہیں لیکن ہر لحظہ ہم میں ہیں اور جن پر دُنیا بھر میں جہاں تہاں اِسلام کی آواز ہے، دن میں کئی کئی دفعہ، درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ جس طرح بدلیاں پانی کے ڈول بھر کر چلی آتی ہیں، اِس طرح کرۂ ارضی کی ہوائیں، اُن کے لئے درود و سلام کے گلدستے لے کر آتیں اور لُٹا کر لوٹ جاتی ہیں۔ صدیوں سے صبح و شام یہی ہو رہا ہے اور یہ قافلہ ابد تک کے لئے رواں دواں ہے۔''

(''شب جائے کہ من بودم'' آغا شورش کاشمیریؒ)

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان
REGD.M#32
جلد 15 ○ شمارہ 2 ○ فروری 2004ء ○ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ

بیاد
سید الاحرار
حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی
ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حسنِ ترتیب

دل کی بات	اپنے محسنوں کی تحقیر نہ کیجیے	سید یونس الحسنی	2
	حمد باری تعالیٰ (حکیم خان حکیم) نعت رسول مقبول (کلیم عثمانی)		4
دین و دانش	قربانی کے احکام و مسائل	سید عطاء المحسن بخاریؒ	6
〃	ہمارے مسائل کا حل...... قرآن کریم	حمید اللہ جمیل	10
گوشۂ حج	یوم الحج کا ورود مقدس	مولانا ابوالکلام آزادؒ	12
〃	حج...... امیر و غریب کی مساوات کا منظر	چودھری افضل حقؒ	14
〃	شب جائے کہ من بودم	شورش کاشمیریؒ	15
〃	میزبان	شاہ بلیغ الدین	16
〃	کعبۃ اللہ	لالہ صحرائی	17
〃	اپنی منزل کی طرف	ڈاکٹر عاصی کرنالی	18
〃	ہر قدم روشنی	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	19
〃	روشنی، پھول، صبا......! (سفرنامۂ حجاز کا ایک ورق)	ذوالکفل بخاری	20
〃	آبِ زم زم...... نعمت غیر مترقبہ	معین الدین احمد	27
افکار	صدر پرویز کی نظریاتی انتہا پسندی	سید یونس الحسنی	29
〃	یا أخی......!	خالد مسعود خان	32
〃	مسئلہ کشمیر اور نئی صورتحال	پروفیسر خالد شبیر احمد	35
〃	عراق میں امریکہ کا مستقبل؟	الیاس نعمانی	38
نقد و نظر	سرسید بے چارہ قابل گردن زدنی کیوں؟	ضیاء الدین لاہوری	40
شخصیات	عظمت موت کے دروازے پر (بیاد: مولانا ابوالکلام آزادؒ)	شورش کاشمیریؒ	44
〃	غازی عبدالقیوم شہید رحمۃ اللہ علیہ	قاری فیوض الرحمٰن	46
ردّ قادیانیت	مرزا قادیانی کا دعویٰ مہدویت	مولانا محمد مغیرہ	50
شاعری	حج بیت اللہ کو یاد کر کے......! (سید ابوذر بخاریؒ) نظم (سید کاشف گیلانی)		53
	غزل (ڈاکٹر عقبان محمد چوہان) مردہ بیٹی، پاگل بابا (شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)		

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

زیر سرپرستی ——
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مدیر مسئول ——
سید محمد کفیل بخاری

رفقائے تحریر ——
چودھری ثناء اللہ بھٹہ
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ
سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ
محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر ——
الیاس میراں پوری

سرکولیشن منیجر ——
محمد یوسف شاد

زر تعاون سالانہ ——
اندرون ملک: 150 روپے
بیرون ملک: 1000 روپے
فی شمارہ: 15 روپے

اکاؤنٹ نمبر: 1-5278
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ چوک مہربان ملتان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری
طابع: تشکیل نو پرنٹرز
مقام اشاعت
دار بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان
فون: 061-511961

دل کی بات

سید یونس الحسنی

اپنے محسنوں کی تحقیر نہ کیجیے

وطنِ عزیز اس وقت جوہری ٹیکنالوجی کے پھیلاؤ کے حوالے سے مختلف الزامات کی زد میں ہے۔ یوں تو یہ بوچھاڑ طویل عرصے سے جاری ہے لیکن اس کی موجودہ رفتار نے بلاشبہ ایک مشکل صورت حال پیدا کردی ہے۔ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی نے ایرانی جوہری پروگرام کی تفصیلات جاننے کے بعد پاکستان پر تعاون کے شبہات کا اظہار کیا ہے اور مبینہ طور پر کچھ پاکستانی سائنسدانوں کے ناموں کی فہرست حکومت کو برائے ضروری تحقیقات بھیجی ہے۔ صدر پرویز بارہا کہہ چکے ہیں کہ ہمارا ایٹمی پروگرام محفوظ ہاتھوں میں ہے اس میں لیکیج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اپنے تازہ ترین بیان میں بھی انہوں نے بہ اصرار کہا ہے کہ انٹرنیشنل انڈر ورلڈ ایسے کام میں ملوث ہے جس میں دیگر ایٹمی ممالک کے کچھ لوگ یقینی طور پر شامل ہیں۔ بہ ایں ہمہ یہاں اُن محترم شخصیات کی اندھا دھند پکڑ دھکڑ جاری ہے، جنہوں نے شبانہ روز مخلصانہ کوششوں سے پاکستان کو نیوکلیئر پاورز کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ لوگ پاکستان کے عظیم ترین محسن ہیں مگر ہماری حکومت نے اُنہیں خاندانوں سمیت حزن وملال کے اوقیانوس میں ڈبو دیا ہے۔ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ انہیں کون، کس وقت جبراً اٹھا کر کہاں لے جاتا ہے، کسی کو معلوم نہیں۔ اپنے اہل خانہ سے بھی انکا رابطہ منقطع ہوجاتا ہے۔ ڈی بریفنگ کے نام پر اب تک جتنے سائنسدانوں کو حراست میں لیا گیا ہے، کوئی نہیں جانتا اُن کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جارہا ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق جو حضرات امتحان سے گزر کر لوٹے ہیں اُن پر شدید ترین اضمحلال طاری ہے۔ یہ خبریں ملک بھر میں بے پناہ اضطراب کا باعث بنی ہیں۔ لوگ استفسار کرتے ہیں، جب پاکستان کا ایٹمی پروگرام مکمل طور پر عسکری کنٹرول میں ہے اور تمام سائنسدان بھی کڑی نگرانی میں ہوتے ہیں تو ایران، لیبیا اور شمالی کوریا کو جوہری معلومات یا ٹیکنالوجی کیونکر منتقل ہوئی اور اس کی براہِ راست ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ بڑی تعجب خیز بات ہے کہ یورپ، امریکہ اور ایشیا کی دوسری جوہری طاقتوں نے اپنے سائنسدانوں کو تحقیق وتفتیش کے شکنجوں میں نہیں کسا، یہ عمل صرف پاکستان میں ہو رہا ہے اور اس سے باشعور اہل وطن مختلف نتائج اخذ کر رہے ہیں، جنہیں کسی صورت واہمے کی زنجیر نہیں کہا جاسکتا۔ عالمی طاقتیں اقوام متحدہ سے اس قانون کی شاید منظوری بھی لے چکی ہیں کہ سلامتی کونسل کے صرف مستقل ارکان ہی ایٹمی ہتھیار رکھ سکیں گے۔ اسی لیے یورپ وامریکہ مل کر بھارت کو سلامتی کونسل کا مستقل رکن بنوانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوگیا تو آپ ہی کہیے پاکستان کس صف میں کھڑا ہوگا اور اس کا ایٹمی پروگرام کس حد تک محفوظ رہ سکے گا؟ ظاہر ہے پاکستان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ وہ بھارت کی بالادستی قبول کرتے ہوئے بلاچون وچرا اپنی نیوکلیئر پاور سے دست بردار ہوجائے (نعوذ باللہ)۔ جن حالات نے ہمیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ان میں زیست کرنے کے لیے باشندگانِ وطن کے سامنے دوراہیں رہ گئی ہیں، وہ بے حسی کی زندگی بسر کریں یا احساس حال کی۔ ہماری نپی تلی رائے ہے کہ اوّل الذکر کیفیت سے زندگی کے طبعی انفعالات کی گتھیاں کبھی سلجھ نہیں سکتیں جبکہ ثانی الذکر سے نئی حرارتیں ملتی ہیں جو قوموں کو نشیب وفراز سے نمٹنے کا حوصلہ بخشتی ہیں۔ مگر صد افسوس! ہم عالمی افق پر نمودار ہونے والے پے درپے واقعات سے بری طرح خوف زدہ ہوکر فرزندانِ وطن کو اپنے ہی پیروں تلے کچل رہے ہیں۔ اس نامسعود سلسلے نے لوگوں

میں گہری مایوسیاں پیدا کر دی ہیں اور وہ سوچنے لگے ہیں کہ آئندہ اپنے بچوں کو ایٹمی سائنسدان نہ بنایا جائے۔ ملک کی فضا بددلی کے تکدّر سے لبریز ہو چکی ہے جس کی عکاسی اُس بیان سے ہوتی ہے جو ایک عظیم سپوت کی ماں کے دل سے ہوک بن کر نکلا اور اخبارات نے اچک لیا کہ ''ہمارے بیٹوں کو چھوڑ دو ورنہ ہم ملک چھوڑ جائیں گے۔'' ہم نہایت دردوسوز مندی سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے محسنوں کی تحقیر نہ کیجیے۔ دعا ہے' ربّ ذوالجلال ہمارے وطن کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ و مامون رکھے' آمین۔

شرعی آڈٹ قوانین کی تیاری

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نظام معیشت فی الوقت کلیتہً سود پر استوار ہے۔ دینی حلقے مدت العمر سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہر سطح پر اسلامی قوانین کا نفاذ یقینی بنایا جائے اور پہلے قدم کے طور پر بلاسود بینکاری فوری طور پر شروع کی جائے۔ حالات کے جمود سے محسوس ہوتا تھا کہ ساری پکاریں صدا بہ صحرا ہیں۔ اب ایک دلنواز خبر پڑھنے کو ملی ہے جس پر محبّ اسلام حلقوں میں بڑی حد تک اطمینان کا اظہار کیا جائے گا:

> ''گورنر سٹیٹ بینک آف پاکستان کے مشیر طارق پرویز سعید نے سیالکوٹ بنکرز کلب کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسلامی بینکنگ کی ترقی و ترویج کے لیے اسٹیٹ بینک نے ایک مکمل اسلامی بینکنگ کا شعبہ اور شریعہ بورڈ قائم کیا ہے۔ جبکہ اسلامک بینکنگ کے شریعہ آڈٹ قوانین کو آخری شکل دی جا رہی ہے۔ انہوں نے بتایا اس وقت دنیا کے ستر ملکوں میں اسلامک بینک اور اس کے ساتھ ساتھ روایتی بینک بھی کام کر رہے ہیں۔ گزشتہ دس سال کے دوران اسلامی بینکنگ کے اثاثے پچاس ملین ڈالر تھے جو بتدریج پندرہ سے بیس فیصد کی شرح سے دو سو پچاس ارب ڈالر تک پہنچ گئے ہیں۔ پاکستان کی اکثریت اسلامی مالیاتی نظام کے حق میں ہے اور وہ تمام قسم کا لین دین اسی نظام کے تحت کرنا چاہتی ہے۔''
>
> (روزنامہ ''دن'' راولپنڈی۔ 13 جنوری 2004ء)

ہم اس پیش رفت کو دیر آید درست آید کا مصداق تو سمجھتے ہیں لیکن ہماری رائے میں اس مبارک کام کے لیے اس قدر تاخیر کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ جناب طارق سعید کے بیان سے عہدِ نوی میں اسلامی مالیاتی نظام کی زبردست کامیابی اور روایتی بینکوں کے مقابلے پر اس کی بے مثال منفعت کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ کرے وہ وقت جلد آئے جب ہمارے ہاں بھی مکمل اسلامی بینکنگ سسٹم لاگو ہو اور اہل وطن سود کی لعنت سے چھٹکارا پا کر نظام اسلام کے فیوض و برکات سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ پاک سرزمین کے باسیوں کا خواب بالضرور تعبیر آشنا ہوگا۔ ان شاءاللہ!

بنگلہ دیش حکومت اور قادیانی مسئلہ

بنگلہ دیش میں پارلیمنٹ کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی تحریک دن بدن زور پکڑتی جا رہی ہے۔ گزشتہ دنوں حکومت بنگلہ دیش نے قادیانیوں کے لٹریچر کی اشاعت و تقسیم پر پابندی عائد کر کے یقیناً مستحسن اقدام اٹھایا ہے لیکن وہاں کی اسلامی جماعتوں کا مطالبہ کہ ''قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے'' اپنی جگہ قائم ہے۔ مجلس احرار اسلام اس مطالبے کی مکمل تائید و حمایت کرتے ہوئے بنگلہ دیش حکومت کی خدمت میں درخواست گزار ہے کہ وہ اس دینی و قانونی مطالبے کی پذیرائی میں دیر کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کر رہی ہے۔

حکیم خاں حکیم

حمد باری تعالیٰ

زمین و آسماں دے دے
مجھے سارا جہاں دے دے
بچا شیطان کے شر سے
مجھے اپنی اماں دے دے
رہوں میں تا ابد زندہ
حیاتِ جاوداں دے دے
کِھلیں جس میں وفا کے گُل
اِک ایسا گلستاں دے دے
محبت کے خزانوں سے
مجھے شیریں زباں دے دے
لکھوں ہر دم ثنا تیری
لب و لہجہ جواں دے دے

☆☆☆

کلیم عثمانی

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کاش آجائے نظر، پھر سے وہ روضہ تیرا
ڈھونڈتا ہے اُسی کو یہ پیاسا تیرا
کاش ہوتی رہے معراج، نظر کو حاصل
کاش پھرتا رہے آنکھوں میں سراپا تیرا
راہزن آج کے اطوارِ زمانہ سارے
راہبر آج بھی ہے اسوۂ حسنہ تیرا
آج بھی مرجعِ آشفتہ سراں ہے وہ زمیں
جس جگہ آکے رُکا تھا کبھی ناقہ تیرا
دین و دنیا کی سرافرازی، غلامی تیری
لائے شاہوں کو نگاہوں میں نہ منگتا تیرا
سنگریزوں کو زباں، دستِ مبارک سے ملی
ماہ و انجم ہیں فقط نقشِ اُجالا تیرا
سروقد آج بھی ہے تیری سلامی کو اُحد
اُس کی آنکھوں میں ہے اب تک قدِ رعنا تیرا
اسی امید پہ جیتا ہے نہ مرتا ہے کلیم
شاید آجائے اُسے پھر سے بلاوا تیرا

ابن امیرشریعت سید عطاء المحسن بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ

قربانی کے احکام ومسائل

قربانی جدالانبیاء اور مجددالانبیاء وسیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہم والسّلام اور سید الاوّلین، قائدالمرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مقدس یادگار اور ابدی سُنّت ہے...... حضور علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ ایامِ قربانی میں اللہ تعالیٰ کو اپنے نام پر بہائے ہوئے خونِ قربانی سے زیادہ کوئی چیز اور عمل پسند نہیں، ذبح کے وقت خون کا ہر قطرہ زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی خدا کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا: ذبیحہ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ہر بال کے بدل میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

بعض اسلام دشمن عناصر جن کو مخلوقِ خدا کی فلاح کا بہت زیادہ ''درد'' اُٹھتا ہے وہ اس نظریاتی مملکت میں برسوں سے زہر پھیلا رہے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ جدید تعلیم سے روشناس مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ قربانی ''مولوی اِزم'' کی ایجاد ہے، یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہزاروں لاکھوں روپے کا خون بہا دیا جائے، اس میں انسانیت کی کیا خدمت ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو صرف ''مکہ'' میں ہی فرض ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں قربانی نہیں دی۔ کوئی شخص بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ دین مبین میں ایک حرف کی بھی تبدیلی کر سکے، قربانی انبیاء کی سنت اور ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ جو چودہ سو سال سے ادا کی جا رہی ہے، خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اور اُن کے بعد اُن کے صحیح جانشین خلفائے راشدین نے اور صحابہ کرامؓ نے اور اُمّت کی مسلمہ شخصیتوں نے ادا کی اور کروائی، یہ کہنا کتنا بڑا دجل ہے کہ ختم المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صرف مکہ میں قربانی کی حالانکہ احادیثِ صحیحہ سے اس کا ثبوت موجود ہے کہ مدینہ میں بھی قربانی ہوئی اور لاکھوں مربّع میل میں پھیلی ہوئی، اسلامی سلطنت میں بسنے والے مسلمانوں نے اس سنت کو ادا کیا، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ میں قربانی کی: حدیث **عن ابن عمر، قال اقام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بالمدینہ، عشر سنین یضحی.** (مسند احمد، ج7 ص57) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دس برس مدینہ میں قیام فرمایا اور قربانی دی۔ **عن ابن عبّاس قال کنّا مع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقر سبعة وفی البعیر عشرة.** ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سفر میں تھے کہ سفر میں ہی قربانی کا دن آ گیا تو ہم قربانی کی گائے کے سات حصّے اور اُونٹ کے دس حصّوں میں شریک ہوئے۔ (ترمذی ص 181)

ان ہر دو روایات کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ واضح ہو گئی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سفر میں بھی قربانی کی اور مدینہ میں بھی، اس کے بعد اس قسم کی لغو اور بے بنیاد باتوں کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور یہ حدیث ان کے قول کے بطلان کے لئے دلیل کا ایک طمانچہ ہے۔

اہل اسلام سے التماس ہے کہ وہ اس قسم کی لغویات پر دھیان نہ دیں اور دین متین کی حفاظت کرتے ہوئے اور محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے سرشار ہو کر اس سنت کو خوب ذوق وشوق سے ادا کریں تا کہ روزِ محشر بارگاہِ ربّ العزت میں نجات کا سبب اور

محبوبِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت کے مستحق بنیں، خداوند قدُّوس ہم سب کو سختی سے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

قربانی کن پر واجب ہے؟

1)...... ہر آزاد عاقل بالغ مسلمان جو ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا رکھتا ہو، یا اُن دونوں سے جتنی مالیت کی جائداد یا مال تجارت کا مالک ہو، اس پر عیدالاضحےٰ یعنی ذُوالحجّہ کی دس تاریخ کو صبح صادق طلوع ہونے سے لے کر بارھویں ذُوالحجّہ کی شام تک چند مخصوص حلال جانوروں میں سے کسی ایک قسم کے جانور کی حکمِ خداوندی اور سنتِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی میں ذبح کرنا واجب ہے، جس کو شرعی زبان میں اُضحیّہ اور ہماری بول چال میں قربانی کہتے ہیں۔

2)...... قربانی کے لئے مذکورہ بالا مالیّت پر زکوٰۃ کی طرح سال کا پورا ہونا شرط نہیں

3)...... جن لوگوں پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے، انہی پر قربانی واجب ہے اور جیسے صدقہ فطر اپنی ذات پر واجب ہوتا ہے، اہل وعیال کی طرف سے از خود دینا نفلی عبادت ہے، ایسے ہی قربانی بھی صرف اپنی ذات پر واجب ہے۔ البتہ دوسرے کی طرف سے ثواب کے طور پر یا وکیل بن کر قربانی کرنا درست ہے۔

4)...... کسی کے پاس بالکل مال نہ تھا، لیکن اچانک کسی طرح دسویں کی صبح کو یا بارھویں کو غروب آفتاب سے پہلے مذکورہ بالا مالیت حاصل ہوگئی، تو اُس پر قربانی واجب ہے۔

5)...... ایسے شخص نے کسی کی غیر موجودگی میں اس کی طرف سے اجازت کے بغیر قربانی دے دی، وہ ادا نہ ہوئی، بلکہ غائب پر بدستور واجب رہے گی۔

6)...... صاحب مال آدمی اگر مقروض ہے تو ادائے قرض کے بعد مذکورہ بالا مالیت باقی بچے تو قربانی واجب ہے، ورنہ نہیں۔

7)...... اگر کسی شخص پر قربانی واجب نہ تھی اور اُس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا اور ایسے ہی کسی نے کوئی مَنّت مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں قربانی دوں گا اور اتفاقاً وہ کام بھی ہوگیا، تو اُس پر قربانی واجب ہوگئی، لیکن مَنّت والی قربانی کا گوشت خواہ وہ امیر کی طرف سے ہو یا غریب کی طرف سے، نہ خود کھانا جائز ہے اور نہ ہی صاحبِ حیثیت افراد کو کھلانا، کیونکہ مَنّت بھی ایک صدقہ ہے اور صدقہ مساکین اور فقراء کا حق ہوتا ہے، اگر بھول کر کھا لیا کھلا دیا، تو اتنی ہی مقدار مزید گوشت خیرات کرنا واجب ہوگا۔

8)...... مسافر پر قربانی واجب نہیں، البتہ سفر میں کسی جگہ پندرہ دن تک ٹھہرنا ہوگیا تو قربانی واجب ہوگی۔

9)...... دیہات میں رہنے والوں کے لئے نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز ہے

10)...... شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لئے نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

11)...... اگر کسی شخص نے قربانی میں اتنی تاخیر کردی کہ بارھویں تاریخ کو غروب آفتاب تک بھی قربان نہ کرسکا، اگر جانور خرید چکا تھا، تو وہی جانور خیرات کردے، اگر جانور نہیں خریدا تھا، تو ایک بھیڑ یا بکری کی قیمت خیرات کردے۔

12) اگر کسی نے قربانی کا جانور پالنے کے لئے کسی کو دے دیا تو پالنے والا اُس کا مالک نہیں ہوسکتا، نہ ہی اُس کو بیچ سکتا ہے، بیچنا ہو تو اصل مالک کی اجازت حاصل کرنا ہوگی۔

13) قربانی کا جانور

بکرا، بکری، مینڈھا، بھیڑ، دُنبہ، دُنبی، بیل، گائے، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی، ان چھ حلال جانوروں میں سے ایک قسم کا جانور ہونا ضروری ہے، ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی جائز نہیں۔

قربانی کے جانور کی عمر

اس ترتیب کے مطابق ہونی چاہیے، بکرا، بکری، ایک سال، گائے بیل، بھینس، بھینسا دو سال، اونٹ، اونٹنی پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ بھیڑ، مینڈھا، دُنبہ، دُنبی اگر اتفاقاً تندرست اور موٹا تازہ ہو کہ ایک سال کی عمر والے ہم جنسوں میں چھوڑ دینے سے دونوں میں کوئی فرق معلوم نہ ہو، تو ایسے چھ مہینے کے دُنبے، دُنبی، مینڈھا، بھیڑ کی قربانی جائز ہوگی، بصورت دیگر، اِن کے لئے ایک سال کا ہونا ضروری ہے۔

14) قربانی کے جانور کی کیفیت

قربانی کا جانور خوب صحت مند، موٹا تازہ، بے عیب ہونا چاہیے، اگر کچھ دُبلا پتلا ہو، تو جائز ہے، لیکن ایسا مریل جانور جس کو سہارا دے کر چلایا جائے، قربانی کے لئے جائز نہیں۔

15) قربانی کا جانور ان عیوب سے پاک ہونا چاہیے

ٹوٹے ہوئے سینگ نہ ہوں، ایک کان کا تہائی سے زائد حصّہ کٹا ہوا نہ ہو اندھا نہ ہو، یا اُس کی ایک آنکھ کی تہائی یا تہائی سے زائد روشنی ضائع شدہ نہ ہو، جس کا ابتداء سے کوئی دانت نہ ہو، جس کی تہائی یا تہائی سے زائد دُم کٹی ہوئی نہ ہو، مرض یا چوٹ وغیرہ کے سبب لنگڑا نہ ہو کہ صرف تین پاؤں پر چل سکے اور چوتھا پاؤں زمین پر نہ رکھ سکے اور گھسیٹتا رہے مادہ حاملہ نہ ہو۔

١٦)...... بکرا، بکری، بھیڑ، مینڈھا، دُنبہ، دُنبی، ان میں حصّہ داری نہیں ہوسکتی، گائے بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی میں سات افراد حصّہ دار بن سکتے ہیں، سات سے زائد کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

17)...... جس جانور میں ساتھ افراد شریک ہوں، سب کو برابر تول کر گوشت تقسیم کرنا چاہیے کمی بیشی سے تقسیم جائز نہیں۔

18)...... قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل سُنّت اور مستحب ہے، خود نہ کرسکتا ہو تو پاس کھڑا ہونا بہتر ہے، قربانی کے لئے افضل دن دسویں کا ہے، باقی دو دنوں میں بھی درست ہے، قربانی کا صحیح اچھا وقت دن کا ہے رات کو کرنا بہتر نہیں، کیونکہ بعض اوقات صحیح ذبح نہیں ہوسکتا، ذبح کرتے وقت یہ دُعا پڑھیں۔

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَالسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَّ مَاَانَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ. اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَااَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ . اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ. بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر جانور ذبح کرے اور مکمل دعا یاد نہ ہو، تو صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے۔ **اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ. بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر** بغیر تکبیر کہے ذبح کرنا جائز نہیں، جب ذبح کر چکے تو پھر یہ دعا پڑھے، اگر اپنے سوا کی اور کی طرف سے بغرضِ ثواب یا بطور فرض دینا ہو تو مِنّیْ کی جگہ مِنْ کے بعد اس شخص کا نام لے، جس کی طرف سے دے رہا ہے آگے کہے **کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ**

خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام۔

تقسیم

گوشت کے مختلف حصے کر کے بہتر تو یہ ہے کہ تول کر تقسیم کرے غرباء، مساکین، یتامیٰ مسافر اور اپنے عزیز و اقارب و احباب سب کو دے۔ کھال، رسّی، زنجیر، گھنگھرو، جھانجر، دوپٹہ یا گوشت بطور مزدوری دینا جائز نہیں، مزدوری نقد طے کرنا چاہیے۔

نمازِ عید کے متعلق کچھ باتیں

شب عید کو نوافل ادا کرنا، توبہ استغفار کرنا، عید کے لئے اوّل وقت نہانا، اپنی حیثیت کے مطابق اچھے کپڑے پہننا مسواک کرنا، خوشبو لگانا سنّت ہے نماز کے لئے ایک راستہ سے جانا اور راستہ بدل کر آنا سنت ہے، راستہ میں ان تکبیرات کا پڑھنا اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ سنت ہے۔ قربانی کرنے کے لئے بہتر ہے کہ نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھائے۔

ترکیب نمازِ عید

تکبیر تحریمہ یعنی پہلی تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر باندھ لیں، سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ تمام پڑھیں، پھر تین تکبیریں کہیں، پہلی اور دوسری تکبیر کہہ کر کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دیں، تیسری تکبیر پر ہاتھ باندھ لیں، پھر امام قرأت کرے گا، باقی حسب معمول پوری کریں۔

دوسری رکعت

جب امام فاتحہ اور سورۃ پڑھ چکے، تو امام کے ساتھ چار تکبیریں کہیں پہلے تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دیں اور کھڑے رہیں چوتھی تکبیر کہنے پر رکوع میں جائیں، اس طرح دونوں رکعتیں پوری ہو گئیں، جیسے جمعہ میں نماز سے پہلے خطبہ سننا واجب ہے، اسی طرح عیدین میں نماز کے بعد خطبہ بھی واجب ہے، خطبہ سنے بغیر عیدگاہ سے جانا گناہ ہے، عیدین کو جماعت کے ساتھ ہی ادا کرنا چاہیے، جماعت چھوٹ جانے کی صورت میں قضاء لازم نہیں ہوگی۔

……

مسافرانِ آخرت

◄◄ نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم کے چھوٹے بھائی نواب زادہ سعد اللہ خان مرحوم ◄◄ جناب عبدالغنی برقی مرحوم (فیصل آباد)
◄◄ مولانا منظور احمد (مرکزی مسجد عثمانیہ چیچہ وطنی) کے بھتیجے۔ ◄◄ والدہ ماجدہ مرحومہ افتخار علی پوسوال (سابق صدر تحریک طلباء اسلام چیچہ وطنی) ◄◄ والدہ ماجدہ مرحومہ رانا قمر الاسلام (چیچہ وطنی، حال مقیم جدہ) ◄◄ والد مرحوم جناب محمد شاہد (ملتان)
◄◄ والدہ مرحومہ شیر خان صاحب (تلہ گنگ) ◄◄ والدہ مرحومہ رانا قمر صاحب (سعودی عرب)

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔ (ادارہ)

حمید اللہ جمیل

ہمارے مسائل کا حل ...... قرآن کریم

عصرِ حاضر کا مسلمان افسردگی کا شکار ہے۔ اُس کا سلسلۂ لیل و نہار معاشی مسائل، ذہنی انتشار اور نا اُمیدی میں گھرا ہوا ہے۔ فی زمانہ ایسا شخص کم ہی ملتا ہے جو مطمئن اور شاداں ہو۔ اجتماعی نظر دوڑائی جائے تو معاشرہ بے راہ روی کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ...... ہمارے نزدیک اس گھمبیر صورتِ حال کا بنیادی سبب مطالعۂ قرآن سے پہلو تہی اور پروردگار کی اس عظیم کتاب سے دوری ہے۔

لاریب! قرآنِ مجید کتابِ ہدایت، باعثِ برکت اور نسلِ انسانی کے لئے رحمت ہے یہ دل کا سکون، رُوح کی تشفّی اور اطمینان کا باعث ہے۔ یہ حق و باطل میں فرق کرنے کی واحد کسوٹی یعنی فرقان ہے۔ یہ نور ہے۔ اُن کے لئے جو تاریکیوں میں گھر کی منزل کا راستہ کھو چکے ہوں۔ یہ شفا ہے اُن کے لئے جن کے دل و دماغ فرسودہ خیالی، گمراہی اور ضلالت کے مرض میں مبتلا ہو چکے ہوں۔ یہ یاد دہانی ہے اُن کے لئے جو فکرِ آخرت اور پروردگار کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی سے غافل ہوں۔

ہمارے نزدیک طلبہ سے لے کر اساتذہ اور محققین تک علم و دانش کے سفر میں اللہ کی کتاب سے استفادہ نہ کریں تو ان کا یہ سفر لاحاصل اور جستجو لایعنی ہوگی۔ ایک قانون دان قانونی کُتب، اغیار کی رائے اور تصانیف کے ذریعے سے ریاستی دستور وضع کرنے اور قانون سازی کی سعی کرتا ہے مگر اس معاملہ میں قرآنِ مجید کی راہنمائی لینے کی سعادت سے محروم رہتا ہے تو درحقیقت اپنے کام میں وہ بہت بڑا خلا چھوڑ دیتا ہے۔ ایک ڈاکٹر انسانی بیماریوں اور اُن کے تدارک کے لئے بڑی بڑی کتابوں اور دنیا بھر کی تحقیقات کا بغور جائزہ لیتا ہے مگر افسوس کہ وہ خالق انسان کی کتاب سے استفادہ نہیں کرتا جو انسان کے تزکیے کا اہتمام کرتی ہے۔ ایک دانش ور اور فلسفی مشرق و مغرب کے فلسفیوں اور مفکّروں کی تصانیف کے ذریعے سے علم و دانش کی نئی راہیں نکالنے اور نت نئی گُتھّیاں سلجھانے میں محو رہتا ہو مگر حکمت اور دانائی کے خزائن سے معمور کتابُ اللہ کے جواہر سے فائدہ نہ اُٹھاتا ہو تو وہ بے بنیاد نظریوں اور الجھنوں ہی میں گھرا رہے گا۔ اسی طرح شاعر و ادیب اپنے خیالوں میں مست لفظوں کا کھیل کھیلنے میں منہمک ہوں اور اپنے اذہان قرآن کے انوار سے روشن و منوّر نہ کریں تو درحقیقت یہ اُن کی خداداد صلاحیّتوں کا ضیاع ہوگا۔

یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ نوجوان نسل ناول، افسانے، ڈائجسٹ، وی سی آر، کیبل، ڈش انٹینا اور موسیقی کی دُنیا میں گُم ہے۔ ذات کی تعمیر اور ذہنی پاکیزگی کے لئے سب سے بڑھ کر اہمیت قرآنِ مجید ہی کو حاصل ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ انسانی کاوشوں اور تصانیف کو پڑھنے سے قبل اللہ کی کتاب کا بنظرِ غائر مطالعہ کرے۔ بے شک اُس پر سب سے پہلا حق اللہ کی کتاب کا ہے۔

قرآنِ مجید کی آیات پر غور و فکر نہ کرنے والوں کے بارے میں پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے:

’’یہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے؟ کیا اِن کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ ‘‘ (سورۂ محمد۔ آیت ۲۴)

قارئین! پاکستان کیوں قائم کیا گیا؟ کون جھٹلا سکتا ہے کہ حصولِ پاکستان کا مقصد قرآن و سُنّت کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست کی تشکیل تھا۔ اس عزم اور نصب العین کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں نے جدوجہدِ آزادی کا آغاز کیا تھا اور ناقابلِ فراموش قربانیوں کی داستان رقم کی تھی مگر آج چوّن سال گزر جانے بھی صورتِ حال انتہائی تشویش انگیز ہے اور اربابِ اقتدار نے یہ کبھی نہ سوچا کہ اسلامی ریاست کا وہ خواب جو ہمارے عظیم اسلاف نے دیکھا تھا اور جس کی تکمیل کے لئے انہوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے، افسوس کہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تعلیمی اداروں میں اللہ کی کتاب کو باترجمہ پڑھانے کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ حکومت کے ساتھ علماء حضرات کا بھی فرض ہے کہ وہ اس عظیم کام میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے تمام مساجد سے فروعی تعصّبات، فرقہ واریت، تنگ نظری اور باہمی کدورتیں مٹا کر قرآنِ مجید کی تدریس کا اہتمام کریں اور باقاعدہ ترجمۂ قرآن کی کلاسز کا اجرا کریں۔ علماء کو چاہیے کہ وہ قرآنِ مجید کی بنیاد پر دعوت واصلاح کا اپنا اصلی فریضہ انجام دیں۔

دنیا بھر میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ذریعے سے حکومت تعلیمات اسلامی کے فروغ اور قرآنِ مجید سے رغبت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس عظیم کام کو مؤثر بنانے، بہتر نتائج حاصل کرنے اور قیامِ پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لئے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جانا چاہیے تاکہ طاقوں میں سجی اللہ کی کتاب کو افراد کے دل و دماغ میں اُتارا جا سکے۔ قرآنِ مجید توکّل علی اللہ، قناعت اور صبر و استقامت کا درس دیتا ہے جس سے خواہشات کی غلامی، خودغرضی اور مال کی محبت جاتی رہتی ہے۔ قرآنِ مجید سے تعلق کے نتیجے میں آدمی اطمینان محسوس کرے گا اور افسردگی اور یاسیت سے نجات پائے گا اور معاشرتی سطح پر بے راہ روی کا خاتمہ ہوگا۔ اس لائحۂ عمل کو اپنایا جائے تو یقیناً جلد ہی اسلامی تعلیمات کا عکّاس بہترین معاشرہ تشکیل پائے گا۔ جس کی بنا پر پاکستان کے مستقبل کو روشن اور شاندار کہنا بے جا نہ ہوگا۔

تعاون کی اپیل

مجلس احرار اسلام اوکاڑہ کے مخلص کارکن جناب سلیمان مجاہد کی آنکھ تیل لگنے سے ختم ہوگئی ہے۔ دوسری آنکھ کو خطرہ ہے۔ مخیّر حضرات سے تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

رابطہ: سلیمان مجاہد معرفت شیخ مظہر سعید، عمر گارمنٹس اینڈ واچ کمپنی،
فیصل فاروق پلازہ کارنر، ریل بازار۔ اوکاڑہ موبائل: 0303-6783435

مولانا ابوالکلام آزادؒ

یوم الحج کا ورودِ مقدس

آج ذوالحجہ کی پہلی تاریخ ہے اور ایک ہفتہ کے بعد تاریخ عالم کا وہ عظیم الشان روز طلوع ہونے والا ہے جس کے آفتاب کے نیچے کرہ ارضی کے ہر گوشے سے لاکھوں انسان اپنے خداوند کو پکارنے کے لئے جمع ہوں گے اور ریگستان عرب کی ایک بے برگ و گیاہ وادی کے اندر خدا پرستی و عشقِ الٰہی کا سب سے بڑا گھرانا آباد ہوگا:

''وہ لوگ کہ اگر اللہ انہیں زمین میں قائم کر دے تو ان کا کام صرف یہ ہوگا کہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔''

یہ پہلا گھر تھا جو خدا کی پرستش کے لئے بنایا گیا اور آج بھی دنیا کے تمام بحر و بر میں صرف وہی ایک مقدس گوشہ ہے جو اولیاء الشیطان و اصحاب النار کی لعنت سے پاک ہے اور صرف خدا کے دوستوں اور اس کی محبت میں دکھ اٹھانے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

سمندروں کو عبور کر کے، پہاڑوں کو طے کر کے، کئی کئی مہینوں کی مسافت چل کر، دنیا کی مختلف نسلوں، مختلف رنگتوں، مختلف بولیوں کے بولنے والے اور مختلف گوشوں کے باشندے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ سلانی یا ٹیوٹانیک نسل کی باہمی عداوتوں سے دنیا کے لئے لعنت بنیں، اس لئے نہیں کہ ایک انسانی نسل دوسری نسل کو بھیڑیوں کی طرح پھاڑ دے اور اژدہوں کی طرح ڈسے، اس لئے نہیں کہ تیس تیس من کے گولے پھینکیں اور سمندر کے اندر ایسے جہنمی آلات رکھیں جو منٹوں اور لمحوں میں ہزاروں انسانوں کو نابود کر دیں بلکہ تمام انسانی غرضوں اور مادی خواہشوں سے خالی ہو کر اور ہر طرح کے نفسانی ولولوں اور بہیمی شرارتوں کی زندگی سے ماوراء الوری جا کر، صرف خدائے قدوس کو پیار کرنے کے لئے اس کی راہ میں دکھ اٹھانے اور مصیبت سہنے کے لئے اور اس کی محبت و رافت کو پکارنے اور بلانے کے لئے جس نے اپنے ایک قدوس دوست کی دعاؤں کو سنا اور قبول کیا، جبکہ نیکی کا گھرانا آباد کرنے کے لئے اور امن و سلامتی اور حق و عدالت کی بستی بسانے کے لئے اس نے اپنے خدا کو پکارا تھا کہ:

''اے پروردگار میں نے تیرے محترم گھر کے پاس ایک ایسے بیابان میں جو بالکل بے برگ و گیاہ ہے، اپنی نسل لا کر بسائی ہے تا کہ یہ لوگ تیری عبادت کو قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ انسانوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے اور ان کے رزق کا بہتر سامان کر دے تا کہ وہ تیرا شکر کریں۔''

آہ تم ذرا ان کی عجیب و غریب حالتوں کا تصور کرو! یہ کون لوگ ہیں اور کس پاک بستی کے بسنے والے ہیں؟ کیا یہ اسی زمین کے فرزند ہیں جو خون اور آگ کی لعنتوں سے بھر گئی اور صرف بربادیوں اور ہلاکتوں ہی کے لئے زندہ رہی؟ کیا یہ اسی آبادی سے نکل آئے ہیں جو سبعیّت و خونخواری میں درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے غاروں سے بھی بدتر ہے اور جہاں ایک انسان دوسرے انسان

کواس طرح چیرتا پھاڑتا ہے کہ آج تک نہ تو سانپوں نے کبھی اس طرح ڈسا اور نہ جنگلی سوروں نے کبھی اس طرح دانت مارے؟ کیا یہ اسی نسل اور گھرانے کے لوگ ہیں جنہوں نے خدا کے رشتوں کو یکسر کاٹ ڈالا اور اس طرح اس کی طرف سے منہ موڑ لیا کہ اس کی بستیوں اور آبادیوں میں خدا کے نام کے لئے ایک آواز اور ایک سانس بھی باقی نہ رہی؟ آہ! اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ قدوسیوں کی سی معصومیت' فرشتوں کی سی نورانیت' اور سچے انسانوں کی سی محبت ان میں کہاں سے آ گئی ہے؟

تمام دنیا نسلی تعصّبات کے شعلوں میں جل رہی ہے مگر دیکھو یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں اور سب ایک ہی حالت ایک ہی وضع' ایک ہی لباس' ایک ہی قطع' ایک ہی مقصد اور ایک ہی صدا کیساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں؟ سب خدا کو پکار رہے ہیں' سب خدا ہی کے لئے حیران و سرگشتہ ہیں' سب کی عاجزیاں اور درماندگیاں خدا ہی کے لئے ابھر آئی ہیں' سب کے اندر ایک ہی لگن اور ایک ہی ولولہ ہے' سب کے سامنے محبتوں اور چاہتوں کے لئے اور پرستشوں اور بندگیوں کے لئے ایک ہی محبوب و مطلوب ہے اور جبکہ تمام دنیا کا محورِ عمل' نفس و ابلیس ہے تو یہ سب صرف خدا کے عشق و محبت میں خانہ ویراں ہو کر اور جنگلوں اور دریاؤں کو قطع کر کے دیوانوں اور بے خودوں کی طرح یہاں اکٹھے ہوئے ہیں! انہوں نے نہ صرف دنیا کے مختلف گوشوں کو چھوڑا' بلکہ دنیا کی خواہشوں اور ولوں سے بھی کنارہ کش ہو گئے!

اب یہ ایک بالکل نئی دنیا ہے جس میں صرف عشقِ الٰہی کے زخمیوں اور سوختہ دلوں کی بستی آباد ہوئی ہے۔ یہاں نہ نفس کا گزر ہے جو غرور بہیمی کا مبدا ہے اور نہ انسانی شرارتوں کو بار مل سکتا ہے جو خوں ریزی اور ظلم و سفا کی میں کرۂ ارضی کی سب سے بڑی درندگی ہیں۔

یہاں صرف آنسو ہیں جو عشق کی آنکھوں سے بہتے ہیں' صرف آہیں ہیں جو محبت کے شعلوں سے دھوئیں کی طرح اٹھتی ہیں' صرف دل سے نکلی ہوئی صدائیں ہیں جو پاک دعاؤں اور مقدس نداؤں کی صورت میں زبانوں سے بلند ہو رہی ہیں اور ہزاروں سال پیشتر کے عہدِ الٰہی اور راز و نیاز عبد و معبود ہی کو تازہ کر رہی ہیں۔

لبیک لبیک' اللھم لبیک' لاشریک لک لبیک!

سر روحانیاں داری ولے خودرا ندیدستی
بخوابِ خود در آ تا قبلۂ روحانیاں بینی

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس' تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان فون: 0641-462501

چودھری افضل حقؒ

حج......امیر اور غریب کی مساوات کا منظر

حج مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ غریبوں سے ہم آہنگی اور مظاہر مساوات کا بے مثال موقعہ ہے۔ وہاں کسی کو تاجِ شاہی، کلاہِ خسروی پہن کر آنے کی اجازت نہیں۔ وہاں صرف لنگے زیرو لنگے بالا۔ نے غم دزدے نے غم کالا کے مصداق بننا پڑتا ہے شاہ ہو یا گدا سب کو احرام باندھ کر کئی کئی روز غریبانہ بسر کرنا ہوتا ہے۔ ایک چادر کا تہبند اور ایک چادر اوڑھنے کو۔ سردی کا موسم ہو تو مصیبت۔ گرمی کے ایام ہوں تو تکلف۔ سر ننگا گرم لو یا ٹھنڈی ہوائیں جب دو چادروں میں بسر کر کے طواف اور سعی کرنی پڑتی ہے' تو غریبوں کی دردناک زندگی آنکھوں کے سامنے آنسو بن کر آ جاتی ہے۔ کعبہ یا اللہ کے گھر میں جو داخل ہوگا وہ بحال غریبانہ داخل ہو سکے گا۔ آرائش زیبائش کے سارے سامان اتار کر بصورت درویشانہ جانا ہوگا۔ یہ اس امر کا اسلامی اعلان ہے کہ خدا کو مساوات پسند ہے۔ اسلام کے نزدیک انسانوں میں عدم مساوات سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ باقی سب گناہ اسی جذبہ غرور کی پیداوار ہیں۔ انسان باغ ہستی کے رنگ برنگ کے پھول ہیں' ان سب کو روشنی اور پانی کی ضرورت ہے۔ اگر ایک حصّہ کو پانی اور روشنی ملے دوسرے کو نہ ملے تو باغ کا دوسرا حصّہ مرجھا جائے گا۔ کوئی کسی کے زیر سایہ پرورش نہیں پا سکتا۔ ہمیں خدا نے امداد باہمی کی عقل دی ہے۔ اس کی بنا پر فرائض کی تقسیم کا حق ہے لیکن دوسرے کو اپنے سے کمتر سمجھنے کا حق نہیں۔ اسلام کامل مساوات کا ان تھک پیغام ہے۔ ہر فرض اسلامی میں اللہ کی عبادت اور انسانوں میں مساوات کا قانون شامل ہے۔ اسلام کی عمارت کے چار ستون ہیں۔ نماز' روزہ حج' زکوٰۃ ان چاروں کی بنیاد مساوات کامل پر ہے۔ سرکشی اور سرداری کے سارے سامان جلا کر بھائی بن کر بسر اوقات کرنے کا نام سچا دین ہے' جس کو اللہ کی حضوری کی خواہش ہے وہ بے سامان ہو کر رہے گا۔ ارباب سامان الا ماشاء اللہ ہمیشہ سرکش ہوئے۔ سرمایہ سامان امتیاز پیدا کرتا ہے اور عبادت کے منشا کو فوت کرتا ہے۔ اس سرمائے سے کیا فائدہ جس سے ایمان کی پونجی برباد ہو جائے۔ جن اللہ والوں نے کسی مصلحت کے ماتحت اسے پاس بھی رکھا تو سانپ کی طرح اس کی نگہداشت کی۔ اس لئے الٹ پلٹ کر اسلام نے مختلف عبادات میں مساوات کی ریاضتوں کو قائم رکھا۔ تاکہ کسی نظام یا کسی حال میں رہ کر یہ بات نظر سے اوجھل نہ ہو جائے کہ سچی زندگی مساوات کامل کی زندگی ہے۔ عدم مساوات کی حالت میں امن کی صبح دنیا میں طلوع نہیں ہوسکتی۔ گناہ اور جرم کی جڑ سرمائے کی غیر مساوی تقسیم اور جذبہ غرور ہے۔ اسلام کی عبادت اور ریاضت، سرمایہ دار اور مغرور دونوں کے دماغ کا علاج ہیں۔

روزے کی ریاضت سے زیادہ حج کی صعوبت اور سختی ہے، غریب الدیار ہونا، غم کا پشتارہ اٹھا کر صحرا میں سفر کرنا ہے۔ اداسیاں ہر طرف استقبال کرتی ہیں۔ ہر دلچسپ چیز' غم کی زرد چادر اوڑھے نظر آتی ہے۔ ہر قدم بے یقینی کی منزل کی طرف اٹھتا ہے۔ حج کا سفر' بجائے خود اندھیرے میں چھلانگ ہے' لیکن مراسم حج ایک ایسی مشقت ہیں جو نازک مزاجیوں کو غبار راہ بنا کر اڑا دیتی ہے۔ بادشاہ کو بھی مزدور کی سی سعی کرنا پڑتی ہے اور سپاہی کی زندگی کا تجربہ اٹھانا پڑتا ہے۔ اسلام نرم و نازک مذہب نہیں جو قالینوں پر لیٹ کر اور ریشمی گدیوں پر بیٹھ کر پروان چڑھے۔ بلکہ ہر حال میں مزدور کی طرح بسر اوقات اسلامی زندگی کا جزو بنانا پڑتا ہے۔ جو اس سے اٹھ کر امتیاز اور آرام کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے گا وہ مسلمانوں کو ذلیل اور کمزور کرے گا۔ مسلمان اللہ کی فوج کا سپاہی اور دنیا کی تعمیر کا مزدور ہے وہ ظلم کو دور کرنے کے لئے جان لڑائے اور اہل دنیا کے آرام کے لئے محل بنائے۔ اسلام کی تمام عبادتوں اور ریاضتوں کا مقصد یہی ہے۔ نماز' روزہ' حج عبادت بھی ہیں اور ریاضت بھی۔ اس کا نتیجہ دنیا میں کامل امن' سچی اخوت اور پوری مساوات ہے۔

شورش کاشمیریؒ

شب جائے کہ من بودم

فضل حق نے بتایا کہ الجزائر کے بن بیلا کی آمد پر اس خیال سے کہ بعض خفیہ رپورٹیں نازک تھیں، سعودی حکومت نے کعبۃ اللہ کے دائرہ سے زائرین کو چند منٹ کے لیے پیچھے ہٹا دیا۔ جونہی طواف رکا اور مطاف خالی ہوا، یکا یک کبوتروں کی ٹکڑیاں اِدھر اُدھر سے نکلیں اور بھرپور طواف شروع کر دیا۔ یہ نظارہ الٰہی دیکھ کر اعضائے حکومت سراسیمہ لوٹ گئے۔ فوراً اپنی روک ہٹالی اور طواف شروع ہوگیا۔ کبوتر جس طرح آئے تھے، اسی طرح لوٹ گئے۔ بن بیلا آئے اور عام لوگوں کے ساتھ طواف کر کے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں جو کلام پاک کے الفاظ میں امن کی جلوہ گاہ ہے۔ ایک انسان کے لیے خواہ وہ فرمانروا ہی تھا۔ کوئی سا انتظام یا امتیاز منشائے ایزدی کے خلاف تھا۔ قدرت کو گوارا نہ تھا کہ اللہ کی مخلوق کو مطاف کی حاضری سے روکا جائے۔ اس گھر میں کوئی شاہی نہیں۔ یہاں صاحب و بندہ و محتاج و غنی ایک سے پہناوے میں آتے اور ایک سی دعائیں مانگتے ہیں۔ یہاں کوئی جہاں پناہ نہیں۔ سب پناہ خواہ ہیں۔ سب کے ایک ہونے کا نظارہ صرف یہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ عشق کا دربار ہے اور عشق کے دربار میں کسی ابوالفضل و فیضی کے لیے جگہ نہیں۔ فرق ہے تو صرف اللہ سے لو لگانے والوں کے مراتب و مناقب میں ہے جہاں دولت یا حکومت کے لیے کوئی اعزاز نہیں۔ اعزاز ان کے لیے ہیں جن کے سر اور جن کے دل اللہ کے حضور میں اس طرح جھکے رہتے ہیں کہ اوپری نگاہیں اور رسمی طبیعتیں ان تک پہنچ ہی نہیں پاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی لو میں مگن رہتا اور عشق و ایمان سے بقدرِ ظرف بہرہ یاب ہوتا ہے۔ حاضری میں یکسانی ہے، حضوری میں نہیں۔ بہ قول شاعر:

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

سبھی لوگ آتے ہیں بادشاہ و فقیر، وزیر و امیر، دولت مند و حاجت مند، غنی و گدا، شہریار و شہسوار، تاجدار و چوبدار، فرماں روا و بے نوا، نیاز مند و دردمند، تاجر و آجر، زاہد و رند، عالم و عامی، لاہوری و شامی، ملک ملک کے لوگ، سجدہ ایک جبینیں بہت سی۔ کوئی کھڑاگ نہیں۔ ایک ہی خواہش کہ اللہ کے اس گھر سے سرخرو جائیں، حاضری قبول ہو، حضوری حاصل ہو۔ صبح تاریخ کی بے شمار صدیاں گزر چکی ہیں۔ اسلام کو چودہ سو سال ہوگئے ہیں۔ ایک لحظہ، ایک ثانیہ اور ایک ساعت بھی انسان کی حاضری کے بغیر نہیں گزری، چوبیس گھنٹے طواف ہوتا اور کرہ ارضی کے ہر حصہ کی نمائندگی ہوتی ہے۔

☆☆☆

شاہ بلیغ الدین

میزبان

مرو میں ہوتے یا کہیں حج کا زمانہ آتا تو حضرت عبداللہ بن مبارک کے ہاں بڑی گہما گہمی رہتی۔ لوگ اُن کے پاس آتے پوچھتے ...... کب تک نکلنے کا ارادہ ہے؟ وقت اور تاریخ معلوم ہو جاتی تو اللہ کے وہ بندے جو حج کو جانا چاہتے روپیہ پیسہ اور کھانے پینے کی چیزیں لاکران کے پاس جمع کرواتے۔ یہ ایک پرچے پر ہر ایک کا حساب لکھ کر رکھ لیتے پھر وہ مبارک دن آتا کہ کئی لوگوں کا قافلہ مرو سے حجِ بیت اللہ کے لئے نکل کھڑا ہوتا۔ عبداللہ بن مبارک میرِ کارواں ہوتے۔ یہ دوسری صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ اس وقت خراسان سے مکّہ معظّمہ جانا ایک بڑا مرحلہ تھا......

حج وزیارت سے فارغ ہوکر سارا کارواں خوشی خوشی لوٹ آتا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سفر میں ہر ایک کا خیال رکھتے۔ ہر ایک کو کھانے پینے کے لئے اچھے سے اچھا سامان ملتا۔ ذرا تکلیف کسی کو کسی بات کی نہ ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک جب حج وزیارت سے فارغ ہوکر واپسی کا اِرادہ کرتے تو مکّہ اور مدینے کی بہت سی چیزیں خرید کر اپنے ساتھ رکھتے۔ گھر پہنچتے تو ان میں سے ایک ایک چیز دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں، محلّہ والوں کو بانٹ دیتے۔ خود اپنے لیے کچھ نہ رکھتے۔ وہ یہ چیزیں خریدتے ہی اس لئے تھے کہ تحفتاً دیں۔

آنحضرت صلعم کسی کا تحفہ یا ہدیہ وصول فرماتے تو بہت خوش ہوتے۔ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ بھی جواب میں تحفہ بھیجتے۔ آپ ﷺ کی طرف سے انہیں بھی ہدیئے اور تحفے عنایت ہوتے جو انہیں لوٹانے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کو ہدیئے بھیجتے تو آپ ﷺ یہ معلوم کرکے بہت خوش ہوتے۔ ارشاد تھا کہ اس طرح آپس کے تعلقات بہتر اور خوشگوار ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عالم یہ ہوگیا کہ اور کچھ نہ ہوتا تو شوربہ ہی تحفہ بھیج دیتے۔

سفر سے لوٹتے ہی حضرت عبداللہ بن مبارک وہ پرچے نکالتے جن پر زائرینِ حرم کا حساب لکھا ہوتا پھر اُن کے مطابق نقد و جنس ایک ایک چیز لوٹا دیتے۔ تمام کی تمام! یہ لوگ کہتے ...... ہم نے تو یہ چیزیں آپ کے پاس راستے کے خرچ کے لئے جمع کرائی تھیں۔ ہمیں اپنی ضرورت کی ہر چیز ملتی رہی۔ اب ان کی واپسی کا کیا سوال ہے؟ فرماتے ...... نہیں تم سب میرے مہمان تھے۔ تمہاری خدمت کرکے مجھے جو خوشی ہوئی اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ...... اگر آپ کو کچھ نہ لینا تھا تو آپ پہلے ہی انکار کردیتے۔ کسی سے کچھ جمع ہی نہ کرواتے۔ بے وجہ حساب کتاب سے آپ کا بڑا وقت ضائع ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ...... اگر میں ایسا کرنے لگوں تو سفر میں سب کی نظریں جھکی رہیں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ مہمان بن کر چلنے سے انکار کردیں اور حج کا فریضہ ادا کرنے سے محروم ہوجائیں۔ اس لئے یہاں سے قافلہ صرف میرے ہی ساتھ جاتا ہے۔ دوستو! یہ اللہ کی بڑی عنایت ہے کہ اتنے لوگ میرے ساتھ ہوجاتے ہیں اور مجھے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کا ایک موقع مل جاتا ہے اور اس خوبی سے کہ یہاں لوٹ کے آجانے کے بعد بھی کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ وہ مجھ پر بار تھا۔ سلوک کی یہ شان اللہ کے نبی کی سنت ہے۔

لالہ صحرائی

کعبۃ اللہ

یہ مکہ مکرمہ ہے اور یہ حرم پاک ہے' جہاں میں اس وقت بیٹھا یہ سطور لکھ رہا ہوں' کعبۃ اللہ میرے سامنے ہے اور اس کے سیاہ غلاف پر کوندتی ہوئی تجلّیاں میری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ انہی تجلّیوں کے پروانے اس کے گرد دیوانہ وار گھوم رہے ہیں ......گھوم رہے ہیں' اور دُنیا کی ابلیسی طاقتوں کو چکر دے رہے ہیں ......وہ طاقتیں جو اپنے اُستادِ ازل شیطان کے احکام کے تحت اُمّتِ مُسلمہ کو اپنے سامنے سرنگوں دیکھنے کے لئے شب و روز کے ہر لمحے، تدبیریں سوچنے، منصوبے بنانے اور ان منصوبوں کو کھلے اور چھپے طریقوں سے رُوبہ عمل لانے میں مصروف رہتی ہیں، اُمّتِ مُسلمہ کے اس مرکزِ عمل، کعبۃ اللہ کی اعجاز آفرینی کے سامنے سربزانُو ہیں۔

یہ اسی مرکزِ ثقل، کعبۃ اللہ کی اعجاز آفرینی اور کرشمہ سازی ہے کہ اُمتِ مُسلمہ رہِ حیات میں گاہ بگاہ بھٹک تو جاتی ہے لیکن اپنے مدار سے نہیں ہٹتی۔ کعبۃ اللہ اپنی بے پناہ قوّتِ جذب و کشش سے اُسے اپنی طرف کھینچ ہی لاتا ہے۔ خلق کے راندے ہوئے اور دُنیا کے ٹھکرائے ہوئے افرادِ ملت' اِسی کے سائے میں آ کر آسودگی حاصل کرتے ہیں اور وہ سکونِ قلب پاتے ہیں' جس کی خاطر اللہ کے باغی ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں روپے خرچ کر ڈالتے ہیں، لیکن یہ نعمت بہر حال اُن سے اُتنی ہی دُور رہتی ہے جتنا زمین سے آسمان۔

ہاں تو قارئین، میں کہ جو گناہوں کی تپش سے جھلسا ہوا تھا اور میں کہ جس کے دماغ میں وسوسوں اور اضطراب کا ایک پورا خارزار اُگا ہوا تھا اور میں کہ جس کے دل میں مکروہاتِ دُنیا سے محبت کی وحشت سامانیاں رقص کُناں تھیں اور میں کہ تنگی کا اضطراب جسے سالہا سال سے ایک سراب سے دوسرے سراب تک نامُرادی کے سفر میں سرگرداں رکھتا تھا......آج حرم پاک میں موجود ہوں اور سچے سکونِ قلب کی سرمدی نعمت سے ہمکنار ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گھر سے بڑھ کر کوئی پُرسکون گوشۂ عافیت مجھے دنیا میں میسّر آ گیا ہے، دل میں کسی وسوسے کا کانٹا ہے' نہ کسی پریشانی کا خرخشہ، دُنیا کی کسی نعمت کی آرزُو نہ آسائش کی تمنا۔ روح میں گناہوں کی تپش اور جلن پر بھی ٹھنڈک سی پڑ گئی ہے کہ:

دل کے ویرانے میں جو خیر بسا دیتا ہے
حبسِ عصیاں میں وہ بخشش کی ہوا دیتا ہے

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی

اپنی منزل کی طرف

اللہ کے حضور حاضر ہونے کے بعد محبوبِ کبریا، ممدوحِ کائنات، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، وجۂ تخلیقِ آدم و عالم، بہارِ چمنستانِ موجودات، ہادیٔ انسانیت، اور منزلِ کاروانِ ہست و بُود حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہِ رحمت میں حاضری دینے کی ساعتِ سعید آ پہنچی۔

میں کانپتے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ میرا بدن، میرا دل، میری رُوح ایک جلال کی گرفت میں تھی۔ ایک دبدبہ ایک ہیبت، ایک سب سے جلیل القدر ذاتِ گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ڈر مُجھ بے مایہ، کمتر، ہیچ، معدوم شخص پر پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ اُن کا جلال مُجھے سہار رہا تھا، لیکن اُن کی رحمت میرا حوصلہ بڑھا رہی تھی اب میں حضور علیہ السّلام کے قدمینِ شریفین میں ایستادہ تھا۔ خدا کی قسم میرے ہونٹ خشک تھے میری زبان گُنگ ہو چکی تھی۔ الفاظ مجھے سوجھ نہیں رہے تھے۔ اظہار و بیان کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔ حافظہ، یادداشت، سب مِٹ چکے تھے۔ سارا نام نہاد علم، ساری ناکارہ فصاحت و بلاغت، سارے بے سُود وسائلِ اظہار و ابلاغ سب کے پرکٹ چکے تھے گائیڈ بُکس میں پڑھا تھا۔ حاضری دو، تو یہ پڑھنا، وہ پڑھنا، یہ دُعا مانگنا، وہ مدعا بیان کرنا، تمام عزیزوں اور دوستوں کے سلام اور مطالبے پیش کر دینا' ...... لیکن، لیکن، کہاں تھا یہ سب کچھ، ہر شئے محو ہو چکی تھی! میں اُس وقت عدم کا ایسا نقطہ تھا جو مِٹ رہا تھا، مِٹ چکا تھا...... نقطہ بھی معدوم ہو چکا تھا...... ایسے میں کیا کرتا' مجھے کیا کرنا چاہیے تھا، میں کر بھی کیا سکتا تھا، بس مَیں بے ساختہ دُرود پڑھنے لگا۔ بے تحاشا رونے لگا۔ مَیں، مَیں اُن کے سامنے یا ذرّہ تھا، اُڑ گیا۔

یا موم تھا جو پگھل گیا
یا آنسو تھا جو بہ گیا
بس درود، مسلسل درود، لگاتار درود

زبان سے درود، دل سے درود، پورے وجود سے درود
یہ میری پہلی حاضری تھی!

میں ہوٹل کے کمرے میں پہنچا۔ اشکوں کی نمی میرے رُخساروں پر تھی۔ اب آنسوؤں کی تپش، راحت میں، ٹھنڈک میں تبدیل ہو رہی تھی، جیسے اُن کی شانِ رحمت نے چُپکے سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہو!

☆☆☆

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

ہر قدم روشنی

عشاء کی نماز کے بعد دُرود وسلام کی بارش میں روضۂ رسول صلّی اللہ علیہ آلہ وسلّم پر حاضری دی۔ زائرین ''الصلوٰۃ والسّلام علیک یارسول اللہ اور السّلامُ علیک ایھا النبیؐ'' کے بابرکت الفاظ سے اپنی زبانوں اور اپنے دل ودماغ کے نہاں خانوں کو معطر کررہے تھے اور مواجہ شریف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو منور کررہے تھے۔ انوار وتجلیات کی بارش ہورہی تھی۔ رحمت کی برکھا تھی۔ قسمت والے جھولیاں بھر رہے تھے۔ اور ے

دست بستہ چلے آتے تھے، غلامان رسول   جیسے اک قافلۂ کاہکشاں ہوتا ہے

مگر میں ایک ناہنجار، گناہوں کا مارا ہوا، نگاہِ رسول صلّی اللہ علیہ آلہ وسلّم سے بچنے کی کوشش کررہا تھا کہ ے

لے دے کے چند اشکِ ندامت تھے میرے پاس   کیا لے کے جاتا، شافعِ محشر کے سامنے

دل ودماغ پر اک عجیب کیفیت طاری تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان دینے کی جگہ، منبرِ رسول اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا جنت کا ٹکڑا۔ وہ محراب جس میں آپ نماز پڑھاتے رہے اور پھر یہ تصور کہ واقعی مجھے میرے اللہ نے اس جگہ لا کھڑا کیا ہے۔ جس جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں جید صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھا کرتے تھے۔ دنیائے اسلام کی عظیم یونیورسٹی، اصحاب صفہ کے بیٹھنے کی جگہ جہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم درس دیا کرتے تھے۔ ان کا چبوترہ جو آج بھی اپنی ہیئت اور سائز کے حساب سے اسی طرح قائم ہے۔ جس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ آلہ وسلّم کے دور میں تھا اور پھر خود روضۂ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میرے سامنے تھا۔ آپ کا مسکن آپ کی رہائش کی جگہ، میں مبہوت کھڑا، ذرے ذرے کو اپنی نگاہوں سے بوسہ دے رہا تھا۔ ہکا بکا اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے مجھ کملے، بے وقوف اور کج مج کردار کو یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ جہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے رہے یا میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا اور دیر تک ے

بیٹھا رہا میں گنبدِ اخضر کے سامنے   محراب کے تلے کبھی منبر کے سامنے

عشاق قطار میں کھڑے ایک ایک کر کے محراب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نفل ادا کررہے تھے۔ میں بھی قطار میں لگ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس جائے سعید پر مجھ پاپی کو بھی اپنا ماتھا رگڑنے کی سعادت بخشی۔ جس جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک، سجدہ کناں رہی تھی۔ میرا انگ انگ میرے وجدان کا ایک ایک تار خوشی سے جھوم رہا تھا:

بابرکت محراب کے اندر
پاک نبی کی سجدہ گاہ میں
مجھ جیسے عصیاں پیکر نے
سچ مچ اپنا ماتھا رگڑا
کچھ مت پوچھو کیا پایا ہے
دولتِ دنیا، دولتِ عقبیٰ
سب کچھ جھولی میں آیا ہے

ذوالکفل بخاری

روشنی، پھول، صبا......

(سفرنامۂ حجاز کا ایک ورق)

تقدیر کی خوبی...... ماہ وسال کی گردش ...... بخت...... یا' اتفاق؟ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اِسے کیا نام دے؟ وہ ایک مسافر' جو پاکستان سے چلا اور حجاز جا پہنچا۔ یہی کوئی سال بھر پہلے۔ پوچھنے والے' پوچھا کیے کہ...... کیسے چلے اور کیسے پہنچے' پر وہ کیا بتاتا کہ کہاں سے چلا اور کہاں پہنچا ؟ وہ کیا بتاتا کہ کتنی راہیں قطع ہوئیں' کتنی باقی تھیں؟ وہ کیا بتاتا کہ سفر کا کونسا مرحلہ کیسا تھا، کونسی منزل کیسی تھی؟ کتنے موسم تھے جو گزر چکے تھے، کتنے موسم تھے جو گزر رہے تھے، کتنے رستے تھے جو سمٹ کر بھی پھیلتے جا رہے تھے اور کتنے رستے تھے جو پھیل کر سمٹ رہے تھے' اور کیسا زادِ سفر تھا کہ ختم ہوا جاتا تھا اور بچ بھی رہتا تھا۔ یہ موسم...... ’’حیرت‘‘ کے موسم تھے۔ یہ رستے...... ’’بہجت‘‘ کے رستے تھے اور زادِ سفر میں صرف دو چیزیں تھیں...... خجلت اور خاموشی۔

پھر ایک روز ...... یہ خاموشی ،نہایت خاموشی سے ٹوٹ گئی۔ مسافر نے چاہا کہ مٹھی میں بند خوشبو' کسی اور کو بھی ’’دکھائے‘‘۔ اُس نے ہتھیلی کھولی تو وہاں لفظوں کی تتلیاں...... مردہ پڑی تھیں۔

یہ ایک خط کا قدرے طویل اقتباس ہے۔ خط......ایک بہت مہربان، بہت عزیز اور بہت فاضل دوست کے نام تھا کہ جن کی خاطر کا خیال اور جن کے ’’ارشاد‘‘ کی تعمیل ضروری تھی (1)۔ آج' سال بھر بعد...... خیال ہوا کہ ہنر کی، فضل وکمال کی اور حُسن و خوبی کی نمائش تو ہر کوئی کرتا ہے، کیوں نہ ہم اپنی بے ہنری اور بے مائیگی کا ’’راز‘‘ کھولیں۔ ہر راز کو ایک دن کھلنا تو ہے۔

ہمارے عہد میں...... تاریخ وسیرت کے امام (2) نے کہا تھا......

میری نسبت بداوت سے ہے' نسبت آپ سے اس کی
حضارت ، شیطنت کیشِ کفوری ' یارسول اللہ!

لیکن اب یہاں ’’بداوت‘‘ ...... یعنی جو ہم سمجھتے، سنتے یا پڑھتے رہے ہیں' یا ’’بدّ وپنا‘‘ ...... برائے نام رہ گیا ہے۔ تیل کے سیال، چمکدار، چکنے، چپچپے اور ’’چُپڑے‘‘ ہوئے دھارے میں بہت کچھ بہہ گیا ہے۔ بظاہر کھجوریں، اونٹ، قہوہ، صحرا، خیمے اور چھوٹی چھوٹی (......اور کہیں کہیں بڑی بڑی) کھیتیاں وہی ہیں۔ بدّ وؤں میں...... افلاس اور قلاشی بھی یکسر ختم نہیں ہوئی۔ لیکن اس سادگی میں بہت کچھ ’’پُرکاری‘‘ حلول کر چکی ہے۔ گفتگوؤں میں' معمولاً دو موضوع ضرور ہوتے ہیں۔ یعنی جب واقعی گپ شپ چلے۔ شادی اور کار۔ یہ دونوں چیزیں یوں بھی بہت عام ہیں۔ کار سستی ہے' اس لیے عام ہے۔ شادی مہنگی ہے' پھر بھی عام ہے۔ ایک دو تین چار...... نیا ماڈل...... نئی شادی۔ ایک چٹکلہ سنیے۔ مدینہ طیبہ میں ایک پاکستانی عالم دین ہیں۔ بتلا رہے تھے کہ ایک دفعہ کتابوں کی نمائش سے' بہت سی کتابیں خریدیں۔ واپسی پر ٹیکسی میں بیٹھا تو ڈرائیور سعودی تھا۔ حیرانی سے بولا ...... یہ اتنی کتابیں کیا

کروگے؟ کہا...... پڑھوں گا۔ پوچھا...... پھر' تمہارے کس کام کی رہیں گی؟ (یعنی بعد میں)...... کہا...... بہ حفاظت رکھوں گا۔ مجھے ان کی ضرورت رہے گی۔ بولا...... ارے پگلے' اگلے سال تو ''نئے ماڈل'' آ جائیں گے۔

وہ جو اثرات...... نسلی، جغرافیائی اور تاریخی عوامل کے ہوا کرتے ہیں وہ یقیناً ہیں۔ یعنی...... بے لاگ' بے باک اور بے آمیز بات کرنا' (عجم میں تو لوچ، لمبائی اور لغویت کے ''حسین امتزاج'' سے بُنا ہوا لفظی دھاگہ' نفی اور اثبات کے سبھی مفاہیم کو دانوں کی طرح سبحۂ گفتار میں بیک وقت پرو سکتا ہے)...... غلامی و آقائی، ماتحتی وافسری یا ''برہمنی طبقاتیت'' کے مظاہر کا مفقود ہونا۔ بے جا جذباتیت، بے جا عقیدت اور بے جا مثالیت پسندی کا ناپید ہونا...... یہ سب چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں۔ محسوس ہوتی ہیں۔ صاف صاف اور واضح واضح۔ ''مذہبی کلچر'' (میرا خیال ہے کہ دین داری' تدیّن یا مذہبیّت سے کچھ کچھ الگ مفہوم...... اس ترکیب سے پیدا ہوسکتا ہے) ہمارے ہاں کے وہابی کلچر سے خاصا مماثل ہے۔ لیکن اس کے کچھ اپنے رنگ بھی ہیں...... حد درجہ دل کش۔ یہاں کوئی کسی انجان کو (''اجنبی'' نہیں۔ اجنبی یہاں پردیسی اور تارک وطن کو کہتے ہیں) اب' او' سنیے' بھائی صاحب...... وغیرہ کہہ کر نہیں پکارتا۔ صرف ایک لفظ سے پکارا جاتا ہے...... ''محمد''...... (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہاں ہاں...... وہ جو ایک کالی کملی والا، سب سے سچا، سب سے سوہنا، دلبرِ دلبراں، سرورِ سروراں...... یہیں کہیں انہی زمینوں' انہی فضاؤں میں پلا بڑھا، چلا پھرا، سویا جاگا' ہنسا رویا، بولا...... اور' چپ بھی رہا...... تو پورے چھے عشروں پہ پھیلی اس کی ایک ایک کروٹ، ایک ایک ادا، ایک ایک پل کی یہ کہانی انہی زمینوں، انہی فضاؤں انہی ذروں میں سمائی ہوئی ہے۔ خدا کی قسم' ایک ایک ذرے میں! وہ چھے عشرے' دنیا کو کیا کیا نہ دے گئے؟...... تو پھر یہاں کیا کیا نہ ہونا چاہیے؟ آج ڈیڑھ ہزار سال بعد بھی (منہ سے کہہ دینا آسان ہے) وہ سب ''ذرّے'' ویسے کے ویسے ہیں۔ یہ ایسے ہی رہیں گے۔ چھے ہزار سال بعد بھی' نہیں...... چھے لاکھ، چھے کروڑ، چھے ارب سال بعد بھی...... جب تک ''اُس'' کو منظور ہے۔ وہ' جو ذرّے بناتا اور ان میں تابانیوں کے جہان سمو دیتا ہے۔ یہ تابانیاں......' یہ کہانیاں...... کون دیکھ سکتا ہے۔ کون سُن سکتا ہے؟ اگر کوئی ہے تو وہ آ کر دیکھے...... کوئی سُن سکتا ہے تو سنے۔ کہاں، کس وادی، کس ساحل، کس صحرا، کس قریے، کس چوٹی، کس چشمے، کس ویرانے کی بات کی جائے؟ وہ چاپ محفوظ ہے۔ وہ گونج موجود ہے۔ یہاں کون چلا پھرا، یہاں کون سویا جاگا، کس کی حِدیٰ تھی' کس کے رجز تھے، کس کی پکار تھی، کس کے قدم تھے...... وہ کیا ہوئے؟ ایک ایک ذرّہ گواہی دیتا ہے۔ سچے سوہنے کی' سرورِ دلبر کی۔ اُسی کی نہیں' اُس کے گواہوں کی گواہی۔ گواہی دینے والوں کی گواہی۔ اب ان سے بہتر...... نہیں نہیں' اُن جیسے لوگ بھی روئے ارض پر کبھی نہ ابھریں گے۔ پکی بات ہے۔ تاریخ کے مغالطوں کو، عقیدت کے مبالغوں کو اور عقیدوں کے ڈھکوسلوں کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ جھٹلایا جانا چاہیے۔ لیکن ان ذرّوں کی گواہی، ان فضاؤں کی گواہی...... ایسی محکم، ایسی قطعی، ایسی سچی گواہی کون جھٹلا سکا؟ کون جھٹلا سکے گا؟ سُنیے...... یہاں سانس لینا، یہاں قدم رکھنا، یہاں بولنا، ہنسنا اور رونا، چپکا بیٹھ رہنا، یا سونا، یا جاگنا...... کچھ بھی سہل نہیں' واللہ! سہل نہیں۔ کن ذرّوں پہ قدم دھرتے ہو؟ کن فضاؤں کو آلودہ کرتے ہو؟ کتنے تبسم، کتنے گریے، کتنے بول، کتنے لشکر جیتی جاگتی، دل میں اترتی خاموشی کے، پاک پوتر خون پسینے کی مہکاریں، کتنی سانسیں، کتنی نیندیں، تہ در تہ ترتیب کے ساتھ! اب تک ویسی رکھی ہیں۔ پاک زمین پہ، پاک فضا میں۔

وہ جو سوہنے کی گلیوں میں ننگے پاؤں پھرتے ہیں' سوچتا ہوں کیسے مزے میں ہیں۔ بس ایک دُھن، بس اک خیال میں

مگن۔ شانت اور سرشار۔ یہ ''سرشاری'' مجھے بھی چاہیے لیکن اس راہ پر چلوں تو' چلنا تو کجا' جینا بھی ممکن نہ رہے۔ بس اک خیال کی اسیری' آدمی کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے؟ عمل ...... راہِ دشوار۔ خیال ...... راہِ فرار! اور یہ جو سوہنے کی قوم ہے نا؟ صحرا نشین، بادِیہ پیما ...... یہ بھٹک سکتی ہے، بہک سکتی ہے، بھول سکتی ہے لیکن ...... ''بھاگ'' نہیں سکتی۔ اس کا یہ کردار ہی نہیں۔ یہ بھاگنے والی ہوتی تو یہاں ذرّے ذرّے سے معجزے نمودار نہ ہوتے۔ میں ان ذرّوں کو دیکھتا ہوں، میں ان معجزوں کو سوچتا ہوں۔ آج بھی مجھے یقین ہے کہ ان بھٹکے ہوؤں کو، بہکے ہوؤں کو اور بھولے ہوؤں کو بس راستہ ملنے کی دیر ہے' معجزے پھر نمودار ہوں گے۔ راہِ دشوار کے اُس طرف۔ ''یہ بجا کہ آج اندھیرا ہے ...... ذرا رُت بدلنے کی دیر ہے۔'' ہاں جب دشوار راہیں پھر سے آباد ہوں گی۔ راہیں موجود ہیں۔ وہی کی وہی۔ وہیں کی وہیں۔ ویسی کی ویسی' اور ...... ؎

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

ہمیں اس نقشِ پا کے سجدے کرنے ہیں۔ ہم کس نقشِ پا کے سجدے کر رہے ہیں؟ ؎

ہم اس کا نقشِ پا بھولے ہوئے ہیں
خداوندا یہ کیا بھولے ہوئے ہیں

اے کاش۔ اے کاش (خدا سعود عثمانی کی عمر دراز کرے' کیا لافانی شعر کہا کہ ......) ؎

میں کاش سنگ ہی ہوتا کہ زندہ رہ جاتا
نقوشِ پائے پیمبر دوام کرتا ہوا

میں کیسے بتاؤں ...... آہ' یہ کس سے کیا پوچھا جا رہا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ نہیں' بہت دفعہ سنے سنائے اور پڑھے پڑھائے سبھی ''آموختے'' بے معنی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ بے معنی نہیں ...... بے اصل۔ جمے جمائے یقین، ایمان، اعتبار اور اعتقاد کے خیمے طنابوں سے اکھڑنے لگتے ہیں۔ کیوں؟ گمان کہتا ہے ...... ارے کیا واقعی یہ اللہ کا گھر ہے؟ کیا ان وادیوں سے (وادِ غیر ذی ذرعٍ)' کیا ان سنگستانوں اور کہستانوں سے' ریگستانوں اور بیابانوں سے وہ ''بگولے'' اُٹھے تھے جو تہذیبوں کو' تمدّنوں کو، نظاموں کو، اقلیموں کو اور سلطنتوں کو ملیا میٹ کر گئے۔ سب کچھ بھسم، سب کچھ مسمار، سب کچھ منہدم! کیا واقعی؟ مگر کیسے؟ آخر کس طرح؟ کہیں کوئی مبالغہ تو نہیں؟ کوئی گھڑنت؟ کوئی گڑبڑ؟ ...... بہت سوچتا ہوں۔ دیر تک' بہت دیر تک۔ دور تک' بہت دور تک۔ لیکن ''جواب'' ایک ہی آتا ہے ...... واللہ! سچ کہتا ہوں۔

تہذیب کے فریب کا انسان تھا شکار
ریگِ عرب نے کھولی حقیقت سراب کی

اس ریگ زار کو دیکھے بغیر سراب کی حقیقت نہیں کھلتی۔ معجزے سمجھ میں نہیں آتے۔ دیکھ کر ماننے کا' جاننے پہچاننے کا، سمجھنے اور بوجھنے کا اپنا ہی لطف ہے۔ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''۔ مثلاً ایک عام سی بات ہے۔ بارہا ...... بارہا نہیں بے شمار دفعہ کی' سنی ہوئی ...... کہ صاحب' مکہ میں جلال ہے۔ مدینہ میں جمال ہے۔ وہاں ایسا ہے اور یہاں ایسا ہے۔ ایک عام سے شخص نے' ابھی یہاں آنے سے

پہلے یہی بات میرے سامنے دہرائی (وہ عمرے سے یا حج سے لوٹا تھا) تو میں نے دل میں کہا ''سالا' بنتا ہے۔ اسے کیا پتا؟ سن سنا کر 'باتیں رٹ لیتے ہیں لوگ۔ بے چارے۔ چلو اچھا ہے۔ جیسی بھی ایک ''چھوٹی سی'' دنیا...... عقیدے کی اور عقیدت کی ہے' اس میں خوش تو ہیں۔'' واللہ العظیم...... میں نے یہی سوچا (میرا اللہ مجھے معاف فرمائے۔ **استغفرالله ربی من کل ذنب و اتوب الیه**)۔ بد دماغی ملاحظہ فرمائی آپ نے؟ اب سنیے۔ میں مکہ پہنچا۔ حالت یہ تھی کہ ایک ڈرا سہا، گرا پڑا، میلا کچیلا، بد بودار، لتھڑا ہوا ''کُتا'' (ہاں...... بالکل یہی) جیسے کسی گھر، کسی پناہ گاہ میں گھستا ہے تو دزدیدہ نظروں سے برابر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ ابھی دھتکارا جائے گا۔ ابھی......! چمکارے جانے کا تو سوال ہی نہیں۔ بس وہ جتنے بھی دن گزرے' اسی طرح گزرے۔ خانہ کعبہ کو دیکھتا تھا' دیکھتا رہتا تھا' دیکھتا رہتا تھا...... لیکن اندر کسی چیز کے ٹوٹنے یا پگھلنے یا کھنچنے کی کوئی کیفیت' کبھی نہ ہوئی۔ بس ایک ہی احساس۔ ''تیرا یہاں کیا کام؟ ٹھیک ہے' ٹکریں وکریں مار لے تو بھی۔ تیرے جیسے کئی آئے اور کئی گئے۔'' پھر ایک دن بارش ہوئی۔ موسلا دھار۔ کوئی دو گھنٹے تک۔ یہاں تک کہ گٹر اُبل پڑے۔ میں حرم کے باہر سڑک پر تھا۔ دل نے کہا ''یہی بارش اُدھر مطاف میں اور میزابِ رحمت کے نیچے موجود لوگوں کا ''حصہ'' تھی، ''قسمت'' تھی۔ اور یہی بارش تیرے لیے بس اُبلتے ہوئے گٹر کا نظارہ لائی ہے۔ میں نے کہا بات تو سچ ہے۔ میں کیا سوچتا ہوں؟ میں کیا بولتا ہوں؟ میں کسے مانتا ہوں؟ اور' کیسے مانتا ہوں؟ بس ''اندر' ایک گٹر ہے جو اُبلتا رہتا ہے۔ ارتیابیت، تشکیک، تعقل، تفلسف، سرتابی کی راہیں، فاسد تاویلیں، باطل توجیہیں، حیوانی خواہشیں' لذت پرستیاں، عافیت کوشیاں...... گٹر ہی تو ہے جو ابلتا رہتا ہے۔ تم اتنے سارے ''بت'' لے کر چلے آئے کعبے میں؟ پھر یوں دیکھتے ہو جیسے ابھی کالے پردے کا کونا سرکے گا اور کوئی ہاتھ ''دوستی'' کا تمہاری طرف بڑھے گا۔ شکل دیکھی ہے اپنی؟ ہاتھ دیکھے ہیں اپنے...... چھی! پھر ناک بھوں چڑھاتے ہو' یہاں کی نعمتوں پر، سہولتوں پر، مکہ والوں کے کہے سنے پر؟ ''شرم تم کو مگر نہیں آتی''...... بس یوں سمجھیے کہ گندگی سے اور دلدل سے باہر آنے کے لیے انسان جتنا بھی ہاتھ پاؤں مارے' اور ڈوبتا' اور لتھڑتا ہے۔ میں جتنا سوچتا...... اُتنا ہی اداس ہو جاتا۔ اداس نہیں...... مایوس اور بے زار! بے زار...... اپنے آپ سے، اس دنیا سے، یہاں کے واردات و مشاہدات سے، مقدّرات و امکانات سے، ماضی سے، حال سے، مستقبل سے، اس زندگی سے...... کہ ''اب غمِ لاحاصلی سے بھی تو کچھ حاصل نہیں۔'' اور...... ''کرب اتنا تھا کہ مرجانے کو جی چاہتا تھا'' لیکن فوراً سوچتا...... ''مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟'' مجھے نہیں پتا کہ وہ کیا کیفیت تھی۔ I was new to it. I Still feel my self at loss to describe it, rather to understand it. بس یوں سمجھیے......

ازدرِ ''دوست'' چہ گویم، بچہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بود و ہمہ حرماں رفتم

پھر یوں ہوا (...... پھر کیا ہوا؟) پھر یوں ہوا کہ تین آدمی اور ایک ''کتا'' مکہ سے مدینہ کو چلے۔ یہ ایک ٹیکسی کار تھی۔ صبح 9,8 بجے کا وقت تھا۔ یہ ایک عجیب سفر تھا۔ بیشتر وقت خاموش۔ خاموشی کبھی کبھی ٹوٹتی بھی رہی۔ ایک میاں بیوی اور بچہ، ایک مسافر اور' اور ایک ''کتا''...... یہ سب پاکستانی ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ پاکستانی ڈرائیور نے ان کو اکٹھا کر لیا تھا۔ اب ان کی گفتگو کی کہانی کیا لکھی جائے۔ (نو واقف۔ گھڑی دو گھڑی کے ساتھی۔ محدود سی ''باہمی دلچسپی'' اور محدود سی ''خیر

سگالی‘‘)۔ ہاں البتہ‘ اس خاموشی کی کہانی لکھی جانی چاہیے۔ کیا میں لکھ سکوں گا؟ یہ کہانی جو سچی ہے۔ جو آنکھوں دیکھی ہے۔ جو من بیتی ہے۔ سنیے......! صرف میرے لفظوں پر نہ جایئے گا کہ لفظ بسا اوقات ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، کم پڑ جاتے ہیں، تھک جاتے ہیں، عاجز ہو جاتے ہیں۔ لیکن کہانی تو تب بھی کہی جاتی ہے (بلکہ شاید تبھی کہی جاتی ہے)۔ بس آپ بھی کہانی سنیے گا۔ خاموشی کی کہانی۔ جب گاڑی ’’طریق الھجر ۃ‘‘ پر دوڑ رہی تھی۔ جب رمضان کی 27 تھی۔ جب دھوپ چمک دار بلکہ تیز تھی۔۔ تب یمین و یسار جدھر بھی نظر اُٹھتی تھی‘ دور تک بے آباد چٹیل زمینیں دکھائی دیتی تھیں......سنگلاخ......اور سنولائی ہوئی‘ پہاڑوں سے لدی ہوئی......ایک کے بعد ایک...... یہ گھاٹی، وہ وادی، یہ پہاڑ، وہ چٹان، یہ میدان، وہ پہاڑ۔ ایک سناٹا، ایک ہو، ایک ہیبت۔ ایک خشک، خشمگیں اور مہیب چپ۔ خیال......عاجز اور درماندہ۔ نظر...... پیاسی، ہانپتی ہوئی، نیم جان۔ اور......دل؟ ’’دل تھا گویا چراغ مفلس کا۔‘‘ پھر پتا نہیں کیسے، کس وقت......یکا یک دھوپ ٹھنڈی ہو گئی، منظر بولنے لگ گئے، اور پہاڑ......نہ خشک تھے، نہ خشمگیں۔ اللہ کی قسم۔ جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ بس......اس سے آگے لفظ کم ہیں۔ لفظ نہیں ہیں۔ آنسو ہیں آنسو۔ (میں رو رہا ہوں......)......میری‘ اپنے تئیں یہ بھی بڑی ’’ہمت‘‘ ہے کہ یہاں تک لکھ پایا۔ اب اک توقف۔ مجھے ذرا سنبھلنے دیجیے۔ ہاں‘ ’’توقف‘‘ سے ایک البیلے اور نرالے دوست کی اکلوتی نظم کے چند مصرعے یاد آئے......

میرے ہمدم، میرے دَمساز/ تری عمر دراز/ میں نے پڑھ لیں تری آنکھیں‘ تری آنکھوں کے سوال/ تو بھی پڑھ لے میرا لہجہ، میرے لہجے کی تھکن/ میں نے کیوں صحبتِ ساحل سے کنارہ نہ کیا؟/ میرے ہمدم، میرے دَمساز‘ تری عمر دراز/ ہاں کوئی حرفِ تسلی، کوئی دلدار نظر/ اک ذرا ٹھہرو کہ آنکھوں کی چبھن بہہ نکلے/ اک توقف‘ کہ مرا دل میرے قابو میں نہیں!

ہاں......اک توقف کہ مرا دل میرے قابو میں نہیں!

دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ بدل گیا۔ انہی آنکھوں سے، کھلی آنکھوں سے‘ (With these naked eyes)‘ بالکل سامنے کے منظر......مسافروں نے دیکھا کہ‘ کیا سے کیا ہو گئے۔ کوئی چبھن تھی نہ تیزی۔ کوئی جلال تھا نہ ہیبت۔ خنکی تھی۔ ایسی‘ کہ باقاعدہ محسوس ہوتی تھی اور اتنی‘ کہ دل میں اترتی چلی جا رہی تھی۔ نرمی تھی۔ دل جوئی تھی۔ ملائمت تھی۔ کشش تھی۔ تسکین تھی۔ تسلی تھی۔ دلاسے تھے۔ سورج، ابر، ہوا...... بلکہ ارض وسما......دنیا و مافیہا‘ اب کچھ اور تھے۔ اب سے پہلے کچھ اور تھے۔ طریق الھجر ۃ کے اس طرف کچھ اور‘ اُس طرف کچھ اور......

ابر، خورشید، قمر/ روشنی، پھول، صبا/ سب تھے موجود مگر/ ان کا مفہوم نہ تھا/ آپ نے ’’صل علیٰ‘‘/ سب کو مفہوم دیا۔/ آپ نے ’’صل علیٰ‘‘/ آپ نے ’’صل علیٰ‘‘/ آپ نے......(صلی اللہ علیہ وسلم)

کتنے چہچہے، کتنے زمزمے، کتنی گنگناہٹیں اور کتنے ارتعاشات تھے......انبوہ در انبوہ‘ جو یوں اُمڈے کہ سماعتیں سرشار ہو گئیں، دل جھوم جھوم اُٹھا اور دماغ تھا کہ کچھ جھینپ سا جاتا تھا‘ کچھ جھجک سا جاتا تھا۔ کچھ بے یقینی، کچھ یقین...... بے یقینی سے بڑھا ہوا یقین۔ کچھ اندیشے، کچھ امیدیں......اندیشوں پر غالب آتی ہوئی امیدیں۔ سماعت سے آواز ٹکرائی......طلع البدر علینا۔ دماغ نے ٹوکا......نادان مت بنو۔ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا۔ دل نے کہا......نہ ہم جنید‘ نہ بایزید۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ (’’کُتّے‘‘ کی تو جیسے جان میں جان آ چکی تھی۔ یوں کہیے......اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔ سچ پوچھیں تو‘ اس کی تو

گویا ’’جُون‘‘ ہی بدل رہی تھی۔ What an amazing rather unbelieveable & surprising, metamorphosis it will be. ......وہ سوچنے لگا!) ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ ہمیں رونے دو۔ ہمیں سسکنے دو۔ ہمیں بلکنے دو۔ ہمیں پھوٹ پھوٹ کر رونے دو۔ ہمیں ڈھائیں مارنے دو۔ ہم ابھی چپ ہوجائیں گے۔ مؤدّب ہوجائیں گے (ہمیں بس ذرا سی دیر ’’سُنّی‘‘ رہنے دو۔ پھر ہم ’’وہابی‘‘ ہوجائیں گے) سکوت سے بہرہ ور، سکینت سے بہرہ منداور طمانیت سے بہرہ یاب...... ہاں...... ہم سنبھل جائیں گے، ہم سنور جائیں گے۔ ہم سمجھ رہے ہیں، ہم سمجھ جائیں گے۔ کیا؟ یہی کہ طریق الھجر ۃ کے اُس پار، وہ جو بارگاہِ جلال و جبروت سجائے، جلوے کیا کرتا ہے، وہ ’’ربِّ محمدؐ‘‘ ہے۔ وہ سچے سوہنے سرورِ دلبر کا ربّ، ہمارا ربّ ہے (سب جہانوں کا ربّ ہے)۔ یہ سچے سوہنے کی مہربانی...... کہ ہم اندھوں کو روشنی دی، ہم مردوں کو زندگی دی، ہم ایسے پست، ذلیل، گھٹیا، حقیر، بے قیمت اور بے اوقات ’’دوپایوں‘‘ کو شرف، عزت اور توقیر دی۔ آدمیت اور انسانیت دی۔ ’’دی‘‘، نہیں...... لے کر دی۔‘‘ (دماغ نے پھر ٹوکا۔ دل نے صاد کیا) اُسی بارگاہ سے، یاں وہیں سے، وہیں سے، وہیں سے! یہ سوہنا سچا تھا جو ہمیں وہاں تک لے گیا۔ کتنی جان کھپائی، ساری عمر بتائی...... سچے سوہنے نے۔ بس اسی ایک کام میں! کیا کیا نہ بتلایا، کس کس طرح سے نہ سمجھایا...... ایسے جانا ہے، ایسے چلنا ہے، ایسے جھکنا ہے، ایسے ماتھا ٹیکنا ہے، ایسے بیٹھنا ہے، ایسے کھڑے رہنا ہے۔ یہ کہنا ہے۔ یہ نہیں کہنا۔ یہ مانگنا ہے۔ یہ نہیں مانگنا۔ یہ سوچنا ہے۔ یہ نہیں سوچنا۔ سمجھ میں آئے جب بھی، نہ سمجھ میں آئے جب بھی۔ ہم کیا ہماری ’’سمجھ‘‘ کیا؟ ہماری ’’سوجھتا‘‘ کیا؟ ہم عقل کے بیری، ایک دوسرے کے بیری (کتا، کتے کا بیری)...... کھایا پیا، اینٹھ گئے۔ زیادہ کھالیا تو اینڈنے لگے۔ کبھی اس سے بھڑے، کبھی اُس سے بھڑے۔ کچھ بھی نہ کھایا تو آہ وزاری، ذلت خواری۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں۔ ایک مارا ماری۔ کسی کو ملا، کسی نہ ملا تو ایک چھینا جھپٹی۔ جگہ جگہ منہ ماری۔ جگہ جگہ بے زاری۔ کبھی اُس کو ڈرایا، کبھی اِس سے ڈرے، کبھی اُس کو دبایا، کبھی اس سے دبے...... سوبار جیے سوبار مرے۔ ’’مرنے‘‘ لگے تو دہائی دی، گڑگڑائے، اور لگے پکارنے...... پتھر کو، پہاڑ کو، پیڑ کو، پشو کو، پانی کو، آگ کو، ناگ کو، سورج کو، چاند کو، تاروں کو، اوراوتاروں کو! ’’جی اُٹھے‘‘ تو ہوئے جامے سے باہر۔ لگے پھنکارنے۔ گردن اکڑ گئی۔ اب باقی سب کی گردنیں ناپو۔ ناپو نہیں...... کاٹ دو، اتار دو، مار دو! کیسا جینا، کیسا مرنا؟ بس کبھی تماشا بننا، کبھی تماشا کرنا۔ اور کیا تھا آدمی؟ ایک تماشا...... بے ہودہ اور بے ہنگم! ایک دنیا...... بے شرف، بے راہ۔ ’’آدمی‘‘ کو ڈھونڈنے نکلو تو آدمی نہ ملے۔ ’’راستہ‘‘ ڈھونڈنے نکلو تو راستہ نہ ملے۔ (کز دام ودو ملولم وانسانم آرزوست)۔ تب، اک ’’عرب‘‘ نے آدمی کا بول بالا کردیا۔ آدمی کا بول بالا، آدمی کا بول بالا...... کیسے؟ تاریخ کی گواہی تو آپ جانیں۔ آپ ایسے پڑھے لکھے، سوچنے والے، سمجھنے والے، چھاننے والے، پھٹکنے والے...... ہزار ہا سال کو چھاننے پھٹکنے والے...... جانیں، میں تو اتنا جانتا ہوں، نہیں...... کچھ جاننے لگا ہوں، کچھ جان پایا ہوں کہ اس سے بڑھ کر آدمی کی تکریم کیا ہوگی کہ اُسے ’’محمدؐ‘‘ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منسوب کردیا جائے۔ ہاں صاحب! یہاں...... محمدؐ کے دیس میں...... ہر ناواقف، ہر انجان کو ’’محمدؐ‘‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ کیا اپنائیت ہے، کیا اپنائیت ہے۔ سوچیے تو سہی۔ محسوس تو کیجیے۔ اب اور سنیے...... وہ کیا شعر ہے ’’جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا‘‘۔ مسکین کا، محکوم کا، مجبور کا، ماتحت کا، مفلس اور کمزور کا، طیش کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ (قہرِ درویش بر جانِ درویش)۔ منافق کا طیش...... کس نے دیکھا ہے؟ وہ کینہ، بغض اور خبثِ باطن میں ڈھلتا اور ’’کندن‘‘ بن جاتا ہے۔ لیکن...... کھرے، بے باک، (Out

Spoken, Bold & Blunt) بے دھڑک اور گرم مزاج کا طیش کیا ہوا کرتا ہے؟ کیا ہوسکتا ہے۔ نہایت قابل فہم ہے۔ اب یہاں روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ کہیں نہ کہیں برہمی کے آثار ظاہر ہوئے۔ تیوری چڑھ گئی۔ تلخی، تیزی، گرمی بڑھنے لگی۔ لیکن...... اس دوران میں، ایک فریق کہتا ہے ”صل علیٰ محمدؐ“ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ واللہ باللہ...... یوں ہوتا ہے جیسے آگ پر پانی ڈال دیا گیا ہو۔ (ارے کیا ”وہابی“ ایسے ہوتے ہیں) بات یہ ہے کہ عربی وہابی اور عجمی وہابی میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا خود عرب اور عجم میں...... یا، جتنا ”تخمی“ اور ”قلمی“ میں۔ ویسے مجھے سب اچھے لگتے ہیں۔ واللہ۔ اور اگر آپ غور کریں تو پتا چلے گا کہ یہ سنی اور وہابی بھی...... دنیا کے ہر مذہب، ہر دھرم کے ماننے والوں میں ہوتے ہیں۔ یہ اصولی، فروعی کے پردے، پردے نہیں...... ”چھلکے“ تو ہم بعد میں چڑھاتے ہیں، آڑو پر ناشپاتی کا، خوبانی پر آلو بخارے کا۔ کتنے تکلّف سے؟ استاد نے سچ فرمایا...... ”اے ذوق تکلّف میں ہے تکلیف سراسر“۔ ایک اور خاص بات یہ ہے کہ آپ کسی دینی مسئلے پر (خصوصاً احکامی مسائل میں سے) اختلاف کا اظہار کرتے ہیں، سننے والا فوراً حدیث شریف سے دلیل لائے گا۔ اب اگر آپ نے بھی حدیث ہی کا حوالہ دیا تو خاموش ہو جائے گا۔ کوئی ناگواری، کوئی شکست خوردگی کی کیفیت دور دور تک نہیں۔ یہ جو اپنے یہاں ہر وقت مناظرے کی خواہش (بلکہ خارش) لوگوں کو نچلا نہیں بیٹھنے دیتی۔ یہاں اس کا نام ونشان نہیں۔ تم حنفی ہو؟ تمہاری تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ تم شافعی ہو؟ ارے کہاں پھنس گئے؟ خالص دین تو ادھر ہے۔ یہ رہا۔ ابھی شلوار کی جیب سے نکال کر دکھاتا ہوں۔ یہ بدتمیزی، یہ بدمذاقی یہاں نہیں ہے۔ نئی نسل البتہ اس سے ملتے جلتے کچھ مسائل میں مبتلا ہو رہی ہے۔ اس کے اسباب بھی خارجی ہیں۔ ”خارجی“ سے مراد یہ ہے کہ ہم آپ ایسے مہربانوں کی ”محنت“ سے ”بالآخر“ کچھ ذوق ”نان ایشوز“ کو ایشوز بنانے کا بہرحال پنپ گیا ہے۔ لیکن ایک اہم ترین سبب اس ”تاناری ری“ کے نہ ہونے کا، یہ ہے کہ حکومت خود یکسو ہے۔ بات کسی اور طرف نکل گئی۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ بہت دفعہ کسی امام کو، کسی خطیب کو (اور خصوصاً...... حلقۂ تحفیظ کے کسی بچے کو) قرآن پڑھتے ہوئے سنیں تو احساس ہوتا ہے کہ آپ کوئی ”زندہ کلام“ سن رہے ہیں۔ یہاں مجہول پڑھنے والے بھی ہیں۔ بے رغبتی، بے لذتی سے پڑھنے والے بھی ہیں لیکن...... بہت سے ایسے بھی ہیں جو بے ساختہ پڑھتے ہیں یوں...... کہ معانی کی گرہیں کھلنے لگتی ہیں، اور ساتھ ہی دل کے دروازے اور دماغ کے دریچے بھی۔ یہ بھی ایک اور ہی قصہ ہے۔ تفصیل چاہتا ہے۔

حواشی

(1) حافظ محمد ارشاد، پیشے کے اعتبار سے مکینیکل انجینئر ہیں۔

(2) الامام ابومعاویہ ابوذر الحسنی البخاری رحمتہ اللہ علیہ (1345ھ...... 1416ھ)

☆☆☆

معین الدین احمد
ترجمہ: حارث غازی

آبِ زم زم......نعمت غیر مترقبہ

1971ء کی بات ہے۔ جب ایک مصری ڈاکٹر نے یورپ کے اخبارات میں ایک مراسلہ شائع کرایا جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ آبِ زم زم مضرِ صحت ہے۔ اس لیے یہ ہرگز پینے کے لائق نہیں ہے۔ مصری ڈاکٹر نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ خانہ کعبہ ایک ایسی اتھلی سطح پر واقع ہے۔ جو سطح سمندر سے نیچے ہے اور چونکہ شہر مکہ عین وسط میں واقع ہے۔ اس لیے شہر کا تمام گندہ پانی چاہ زم زم میں جمع ہو جاتا ہے۔ مصری ڈاکٹر کی ہرزہ سرائی جیسے ہی شاہ فیصل کے کانوں تک پہنچی انہیں شدید طیش آیا اور انہوں نے اس یادہ گوئی کو اپنے انجام تک پہنچانے کے لیے متعلقہ حکام کو کارروائی کرنے کے احکام صادر کیے۔ مزید براں شاہ فیصل نے وزارتِ زراعت و آب رسانی کو حکم دیا کہ آبِ زم زم کے نمونے تمام یورپی تجزیہ گاہوں کو ارسال کیے جائیں۔ تاکہ قابل استعمال ہونے کے بارے میں جدید سائنسی شواہد حاصل کیے جائیں۔

ان دنوں میں جدہ میں بطور کیمیکل انجینئر تعینات تھا۔ دوسرے انجینئروں کے ساتھ مل کر ہم سمندر کے پانی کو قابل استعمال بنانے والے پلانٹ میں کام کر رہے تھے۔ چونکہ یہ پلانٹ انتہائی جدید مشینری پر مشتمل تھا اور اس کی کارکردگی شہرہ آفاق تھی۔ اس لیے وزارت زراعت و آبِ رسانی نے مجھے یہ ہدایات جاری کیں کہ آب زم زم کے قابل استعمال ہونے یا نہ ہونے کے لیے میں جملہ امور کی نگرانی کروں اس ضمن میں ہر ممکن کارروائی اندرون و بیرون ملک سرانجام دوں۔

ہدایات ملتے ہی، میں جدہ سے مکہ معظّمہ پہنچا، جہاں خانہ کعبہ کے منتظمین سے رجوع کیا۔ انہوں نے فی الفور مجھے ہر قسم کی اعانت فراہم کی اور ایک افسر رابطہ کی خدمات مہیا کیں، تاکہ میں کسی دقت کے بغیر اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہو سکوں۔ چاہ زم زم کے سرسری جائزہ نے مجھے ایک عجیب وغریب استعجاب میں مبتلا کر دیا۔ میری عقل یہ باور کرنے پر تیار نہ تھی کہ یہ 18x14 کا مختصر سا تالاب صدیوں سے کس طرح لاکھوں گیلن پانی حجاج کرام اور زائرین کو مہیا کر رہا ہے۔ میں نے اپنی تحقیقات کا آغاز کیا اور چاہ زم زم کی پیمائش شروع کی۔ سب سے پہلے میں نے اس کی گہرائی معلوم کرنا چاہی۔ چنانچہ میں نے اپنے مددگار کو کنویں میں اترنے کے لیے کہا۔ اس نے پہلے تو پاک پانی سے غسل کیا اور پھر وہ کنویں میں اتر گیا اور تہہ میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ پانی کی سطح تقریباً اس کے کندھوں کے برابر تھی۔ جبکہ اس کا قد تقریباً 5 فٹ 8 انچ تھا۔ اب میری ہدایت کے مطابق اس شخص نے چاہ زم زم کی سطح پر قدم بقدم چلنا شروع کیا اور یوں اس نے کنویں کی تمام دیواروں کا احاطہ کر لیا۔ اس نے بتایا کہ کنویں کی دیواروں سے پانی نہیں رس رہا۔ یوں ثابت ہوا کہ پانی کا منبع چاہ زم زم کے اندر ہی کہیں واقع ہے۔ اس کے بعد مزید تحقیق کے لیے میں نے حکم دیا کہ نکاسی آب کے لیے چاہ زم زم میں جو بڑے بڑے ٹرانسفر پمپ لگائے گئے ہیں۔ وہ تمام بیک وقت چلا دیئے جائیں تاکہ کسی طرح چاہ زم زم میں موجود پانی مکمل طور پر ایک ممکنہ حد تک خارج کر دیا جائے اور اس طرح پانی کا منبع دریافت ہو سکے۔ یہ پمپ ایک سیکنڈ میں کئی ہزار گیلن آب زم زم کا اخراج عمل میں لا سکتے تھے۔ لیکن میرے تعجب کی انتہا نہیں رہی۔ جب ہم سب نے یہ دیکھا کہ پانی کی سطح میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی یعنی جس تیزی سے پانی کا اخراج ہو رہا تھا، اسی تیزی سے زیر زمین ذخیرہ آب کمی کو پورا کر رہا تھا۔ میں نے اپنے مددگار سے کہا کہ اب وہ ایک ہی جگہ جم کر کھڑا ہو جائے اور کسی تبدیلی کے بارے میں مشاہدہ کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے چلا کر کہا ''الحمدللہ مجھے منبع آب کا سراغ مل گیا ہے۔'' اس نے بتایا کہ اس کے قدموں کے نیچے ریت اچھل رہی تھی۔ جسے زیر زمین پانی اوپر دھکیل رہا تھا۔ اب اس نے قدم بقدم چاہ زم زم میں کھڑے ہو کر مزید مشاہدہ کیا کہ ہر جگہ سے ایک ہی دباؤ سے پانی کا اخراج ہو رہا

تھا۔ جس کی بدولت چاہ زم زم میں سطح آب برقرار تھی۔ اپنے مشاہدات کی تکمیل کے بعد میں نے مختلف اوقات میں آب زم زم کے نمونے جمع کئے تاکہ انہیں تجزیے کے لیے یورپ کی لیبارٹریوں کو روانہ کروں۔ خانہ کعبہ سے رخصتی سے قبل میں نے حکام مکہ سے دوسرے کنوؤں کے بارے میں استفسار کیا جو چاہ زم زم کے قرب وجوار میں واقع تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ خشک سالی کی وجہ سے تمام کنویں تقریباً خشک ہو چکے تھے اور ان سے پانی کی مقدار میں بھی نکاسی ممکن نہ تھی۔

جدہ پہنچ کر میں نے اپنے افسرِاعلیٰ کو اپنے مشاہدات سے آگاہ کیا۔ اس نے اگرچہ میری باتیں بہت غور سے سنیں لیکن آخر میں اس نے عجیب یاوہ گوئی کی کہ عین ممکن ہے کہ بحیرۂ احمر جو مکہ معظّمہ سے صرف 75 کلومیٹر دور واقع ہے۔ چاہ زم زم کو پانی فراہم کر رہا ہو۔ بہرحال اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا کہ چاہ زم زم تو بحیرۂ احمر سے 75 کلومیٹر دور ہونے کے باوجود پانی سے لبریز ہے۔ جبکہ بے شمار کنویں جو بہت کم فاصلے پر واقع تھے، قطعی طور پر خشک پڑے تھے۔

یورپی لیبارٹری اور ہماری اپنی تجربہ گاہ میں آبِ زم زم کے جو نمونے ٹیسٹ کئے گئے ان کے نتائج میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ آبِ زم زم اور مکہ معظّمہ کے دوسرے کنوؤں سے حاصل کردہ پانی میں نمایاں فرق پایا گیا کہ آب زم زم میں کیلشیم (چونے) اور میگنیشیم کے نمکیات کی مقدار زیادہ پائی گئی۔ شاید اسی لیے آب زم زم نوش کرنے والے حجاج کرام اور زائرین بہت جلد اپنی تھکن پر قابو پا لیتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آب زم زم کا ایک گھونٹ ہی حیات نو بخشتا ہے۔ مزید برآں آب زم زم میں موجود فلورائیڈ کی مناسب مقدار جراثیم کش ہے۔ اس لیے حج کے ایام میں لوگ وبائی امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ یورپی لیبارٹریوں نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ آبِ زم زم پینے کے لیے بہترین اور محفوظ ترین مشروب ہے۔ اس تصدیق نے شاہ فیصل کو بے حد خوش کیا اور انہوں نے ہدایت جاری کی کہ بطورِ خاص اس امر کی تشہیر یورپی اخبارات اور جرائد میں کی جائے۔ آبِ زم زم کا کیمیائی تجزیہ نمایاں طور پر یورپی اخبارات میں شائع کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آبِ زم زم پر جتنی بھی تحقیق اور ریسرچ کی جائے کم ہے۔ اس لیے کہ ہر مرتبہ اس کا ایک اور گوشہ اور روشن پہلو نمودار ہوتا ہے۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

چاہِ زم زم آج تک خشک نہیں ہوا اور اس نے ہمیشہ لاکھوں حجاج کرام اور زائرین کی پیاس بجھائی ہے۔ اس میں موجودہ نمکیات کی مقدار ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ اور اس کے ذریعے میں روزِ اوّل سے لے کر آج تک کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ آبِ زم زم کی شفا بخشی کے سبھی قائل ہیں۔ لاکھوں حجاج اور زائرین کی صحت بخش اقدار کے معترف ہیں۔ آبِ زم زم وسیع پیمانے پر مکہ معظّمہ اور گردونواح بلکہ مدینہ منورہ میں بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ اسے اپنی اصلی حالت میں سپلائی کیا جاتا ہے۔ اس میں کلورین یا کسی اور جراثیم کش کیمیکل کی آمیزش نہیں کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود آبِ زم زم پینے کے لیے بہترین صحت بخش مشروب ہے۔ دوسرے کنوؤں میں نباتاتی اور حیاتیاتی افزائش ہوتی ہے۔ انواع واقسام کی جڑی بوٹیاں پودے اور حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ کائی جم جاتی ہے۔ جس سے پانی کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ رنگت تبدیل ہو جاتی ہے اور بسا اوقات مضرِ صحت بھی ہو جاتا ہے۔ جبکہ آب زم زم دنیا کا واحد پانی ہے۔ جو ہر قسم کی نباتاتی افزائش اور آلائش سے پاک صاف رہتا ہے۔

صدیوں پیشتر بی بی ہاجرہ (علیہا السلام) پہاڑیوں کے درمیان اپنے نوزائیدہ بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک دوڑتی رہیں اور مایوس ہو کر لوٹتی رہیں۔ اسی اثنا میں ان کے معصوم بچے نے پیاس سے بے قرار ہو کر اپنی ایڑیاں رگڑیں اور جہاں جہاں گرم تپتی ہوئی ریت پر ان ایڑیوں نے اپنے نشان ثبت کئے قدرتِ خداوندی سے وہاں زم زم کا ایسا چشمہ پھوٹا جو رہتی دنیا تک تشنگی فرو کرتا رہے گا۔ یہ رب تبارک کی ایک ایسی نعمت ہے جس پر مکہ معظّمہ ہمیشہ نازاں وشاداں رہے گا۔

سید یونس الحسنی

صدر پرویز کی نظریاتی انتہا پسندی

جنرل پرویز جب سے سریرآرائے مسندِ صدارت ہوئے ہیں۔ ان کی زبان بڑے تسلسل کے ساتھ سیکولر شعلے اُگل رہی ہے۔ اپنی جوانی کے کچھ ایام ترکی میں گزارنے کی وجہ سے وہ اتاترک کے دیوانے، مستانے اور پروانے ہیں۔ وہ انہیں اپنا آئیڈیل قرار دیتے اور حیلے بہانوں سے ان کے ساتھ عقیدت اور گہری جذباتی وابستگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ دو روز قبل برادر مسلم ملک ترکی کے دورہ پر گئے تو اپنے محبوب کی چوکھٹ پر بھی حاضر ہوئے۔ ہوسکتا ہے وہاں ان کی آنکھوں کو تراوت اور قلبِ مضطر کو اک گونہ قرار بھی ملا ہو مگر کیا کیجیے گا! تاریخ کی گواہی بہت مستند ہے جسے کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اتاترک کی لادین لبرل ازم پر استوار پالیسیوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں کا سکھ چین چھین لیا اور ترکی پر ایسا استبدادی نظام لاگو کیا جس کا خمیازہ بقول اقبالؒ ''یورپ کا مردِ بیمار'' تا ایں دم بھگت رہا ہے اور آئندہ نسلیں نہ جانے کب تک یہ بھُگتن بھُگتان کرتی رہیں گی۔ اُن کی روشن خیال اعتدال پسند جدت پرستی کی چند لہولہو جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

1۔ اتاترک نے اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوتے ہی پہلے اقدام کے طور پر مسلم ترکیہ کو مکمل سیکولر ریاست میں تبدیل کر دیا۔

2۔ اسلام کا عطا کردہ نظامِ خلافت بالجبر ختم کر کے اتحادِ عالمِ اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کے نامسعود سلسلے کی بنیاد رکھی۔

3۔ اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت پر متشددانہ پابندی عائد کر دی۔

4۔ شعائرِ اسلامی پر عمل کو کلیتہً ممنوع قرار دے دیا۔

5۔ خواتین اور بچیوں کے پردہ کرنے کی سعید کیفیات کو طاقت سے کچل ڈالا۔

6۔ فوجی جرنیلوں کو سیاست میں براہ راست حصہ لینے اور پارلیمنٹ کے منظور شدہ قوانین پر ویٹو کا حق دے دیا' چاہے وہ اسلامی قانون ہی کیوں نہ ہو۔

7۔ پارلیمنٹ کی منتخب خواتین اراکین کے حجاب اوڑھ کر پارلیمنٹ میں داخلے پر پابندی لگا دی۔

8۔ بچیوں کو پردہ کر کے سکولوں میں جانے سے جبراً روک دیا۔

9۔ مدارسِ دینیہ کو عملاً ختم کر دیا۔

10۔ مساجد مقفل کر دی گئیں۔

11۔ عربی زبان لکھنے پڑھنے اور بولنے پر پابندی لگا کر مختلف اداروں اور دکانوں پر عربی میں لکھ کر آویزاں کیے گئے بورڈز اتروا دیئے گئے۔

12۔ قرآن کریم کی اصل زبان میں تلاوت ممنوع قرار دے کر ٹرکش تراجم کبھی کبھی پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

13۔ مؤذنوں کو عربی میں اذان دینے سے زبردستی روک دیا گیا۔
14۔ ترکیہ میں یورپی تہذیب جبراً لاگو کی گئی۔
15۔ سکول، کالج، یونیورسٹی کے نصابِ تعلیم سے اسلام بے دخل کر دیا گیا اور اُس کی جگہ یورپی طرزِ تعلیم و تعلّم نے لے لی۔
16۔ ترک معاشرے سے دینی اقدار بزور خارج کر کے یورپی بے راہروی کو سرکاری سرپرستی میں فروغ دیا گیا۔
17۔ دینی اقدار کے حامل لوگوں پر ہمہ قسم ملازمتوں کے دروازے بند کر کے انہیں یورپ کی متعفن معیشت و معاشرت اپنانے پر مجبور کر دیا گیا۔

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے ورنہ اتاترک کے کمالات کی دلدوز داستان بڑی طویل ہے جس کا یہ محل نہیں۔ اتنا سا بیان کرنے کا خیال بھی اس لیے آ گیا کہ جنابِ صدر نے حالیہ دورۂ ترکی میں ٹرکش گرینڈ اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ایک عجیب کہی ہے جو کہیں پڑھی نہ سنی۔ وہ کہتے ہیں:

’’عمل کے حوالے سے قائدِ اعظم اور کمال اتاترک کی سوچ اور نکتہ نظر ایک تھا۔ اتاترک کے مطابق اگر تمہارا اپنا گھر محفوظ ہے تو دنیا بھی محفوظ ہے۔ اتاترک کو برصغیر میں ہیرو کا درجہ حاصل ہے۔‘‘

صدر صاحب ہمہ مقتدر ہونے کے بعد کمال اتاترک کے افکار و نظریات کے مطابق پاکستانی پالیسیاں ترتیب دینے کی سرتوڑ کوشش میں دن رات ایک کر رہے ہیں۔ وہ انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے نام پر وطن عزیز کے مدارس دینیہ کا نصاب حسب منشا تبدیل کرنے کی شدید خواہش میں مبتلا ہیں۔ اپنے ممدوح کی پیروی کرتے ہوئے وہ مساجد، مدارس، دینی تعلیم، عربی زبان اور اسلامی اقدار و طرزِ معاشرت پر جبری پابندی لگانے کا حوصلہ تو نہیں کر پائے۔ البتہ کشمیر و افغانستان میں جہاد کرنے والی تنظیموں کو ایک پٹخنی ضرور دے چکے ہیں۔ نام نہاد زمینی حقائق سے خوفزدہ ہو کر وطن عزیز کی نظریاتی اساس سے وہ عملاً دست کش بھی ہو چکے ہیں۔ اتاترک کے نظریات کی محبت میں اس قدر خود رفتگی کا شکار ہیں کہ گزشتہ اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھی اپنی روشن خیال اعتدال پسند جدت پرستی پر لیکچر دے ڈالا۔ اپنے ہاں بھی ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘ کے باطل نظریے کو بالجبر فروغ دیا۔ لوگوں کو انتہا پسندی کا طعنہ دینے والے جنرل پرویز نے اپنے اتاتر کی مستعار نظریے کی زوردار طریقے سے رٹ لگا رکھی ہے اور وقتاً فوقتاً اس عزم کا اظہار بھی کیا ہے کہ پاکستانی معاشرے کو بنیاد پرستی سے نکال کر روشن خیال بنا کر چھوڑوں گا۔ چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ وہ اکثر یہ الفاظ دہراتے رہتے ہیں کہ مٹھی بھر انتہا پسندوں نے معتدل اکثریت کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے‘ جناب صدر کا انداز گفتگو، طریق مخاطبت یا مدارس عربیہ کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جانا‘ پوچھ گچھ کے نام پر علماء اور اہل اللہ کی اہانت کرانا‘ کیا انتہا پسندانہ طرزِ عمل نہیں؟ اس کا جواب یقیناً اثبات میں ہے۔ قوم کو بہکانے کا ایک عجیب طریقہ انہوں نے اپنایا ہے کہ جس سے ان کی سیکولر پالیسیوں کا دفاع ہو سکے۔ انہوں نے اتاترک اور بانئ پاکستان کو یکساں نظریات کی حامل شخصیات بنا دیا۔ یہ بات اسی قدر غلط ہے‘ جتنا سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ اوّل الذکر یورپ کے لادین لبرل ازم کا دلدادہ اور والا و شیدا تھا جبکہ ثانی الذکر اپنی تمام تر بشری لغزشوں کے باوجود اسلامی طرزِ زندگی پر لازوال ایمان

رکھنے والے تھے۔ انہوں نے 13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے، جہاں ہم اسلامی اصولوں کو آزما سکیں۔''

پھر فروری 1948ء کو فرمایا:

> ''پاکستان کی مجلس آئین ساز کو ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا اُس کی حتمی شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی جمہوری آئین ہوگا۔ ہماری زندگی میں آج بھی وہ اصول اسی طرح قابل عمل ہیں۔ جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔''

قبل ازیں 1945ء میں بھی انہوں نے کہا تھا کہ:

> ''جاہلوں کی بات اور ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے۔''

غور فرمائیے! کتنا فرق ہے۔ دونوں کی سوچ میں۔ اب کہیے اسلام کو ترکی میں غریب الدیار کرنے والا مسلمانانِ برصغیر کا ہیرو کیونکر ہوسکتا ہے۔ جنرل صاحب آپ خود بھی نظریاتی اعتبار سے زبردست انتہا پسند اور سیکولر لبرل ازم کے بنیاد پرست پرچارک ثابت ہوئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ نے اپنے افکار کو روشن خیال اعتدال پسند جدت پرستی کا نام دے رکھا ہے۔ تاکہ لوگ مزاحمت پر نہ اتر آئیں۔ ورنہ یہ زاویہ نظر اتاترک ہی کا بخشا ہوا ہے جو اسے فری میسنز تحریک نے عطا کیا تھا۔ جنابِ صدر آپ بھی اپنی انتہا پسندی، انتہا پرستی اور انتہا پردازی پر نظر ثانی فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

تبدیلی ٹیلی فون نمبر، مرکز احرار چیچہ وطنی

مجلس احرار اسلام کے مرکزی ناظم نشریات جناب عبداللطیف خالد چیمہ (چیچہ وطنی) کے ٹیلی فون نمبرز تبدیل ہوگئے ہیں۔

احباب رابطہ کے لیے نوٹ فرمالیں۔

مرکزی مسجد عثمانیہ: 0445-485955

دکان: 0445-485953

رہائش: 0445-486953

دفتر احرار (دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد چیچہ وطنی) کا سابقہ فون نمبر **482253** برقرار ہے۔

خالد مسعود خان

یا اُخی......!

مبارک ان کو، جنہوں نے دنیاوی جاہ و حشم پر آخرت کے اجر کو ترجیح دیتے ہوئے شہادت کی منزل کو بوسہ دیا۔ عذاب کی خبر ہو ان لوگوں کو، جنہوں نے دنیا کی محبت اور موت کے خوف میں مبتلا ہو کر عارضی فائدے کے عوض دائمی نقصان کا سودا کیا۔ گزشتہ دو روز میں حزب المجاہدین کے آپریشنل چیف غلام رسول ڈار المعروف غازی نصیر الدین، حزب المجاہدین کے فنانس چیف فیاض احمد ڈار، کمانڈر ریاض احمد ملک، البدر مجاہدین کے ڈپٹی چیف کمانڈر آصف معراج المعروف نعمان اور حزب المجاہدین کے ایک اور کمانڈر عباس ملک المعروف عباس راہی نے جام شہادت نوش کیا۔ ہم سارک کانفرنس کے دور رس نتائج کے تجزیے میں مصروف ہیں۔ بھارت لائن آف کنٹرول پر باڑ لگا کر کشمیری مجاہدین کو گھیر کر مارنے کے پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ ہم وانا میں کل کے مجاہدین اور آج کے دہشت گردوں پر بمباری میں مصروف ہیں۔ بھارتی فوجیں کشمیری مجاہدین اور نہتے شہریوں کے قتل میں مصروف ہیں۔ اور ہم لائن آف کنٹرول پر فائر بندی کر کے امن کا جشن منا رہے ہیں۔ وادی کشمیر لہو رنگ ہے۔ 80 ہزار کشمیریوں نے خدا کے بعد ہمارے آسرے پر آزادی کے سورج کی امید پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

افغانوں نے 20 سالہ جہاد میں اور کشمیریوں نے 12 سالہ جدوجہد آزادی میں ہزاروں نوجوانوں کو شہادت گاہ کی زینت بنایا اور آخرت میں سرفراز ٹھہرے۔ ہم نے ان سے آنکھیں پھیر لیں۔ افغانوں نے روس کے گرم پانیوں تک پہنچنے کے خواب کو ملیامیٹ کرنے کے لیے ہمارے دفاع کی جنگ لڑی۔ ہم پتھر کے زمانے میں دھکیل دینے کی دھمکی سے ڈر گئے۔ آزادی کے متوالے کشمیریوں نے 12 سال تک بھارت کی 6 لاکھ فوج کو اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر الجھائے رکھا۔ ہم نے امریکی اشارے پر ان سے منہ موڑ کر ان کے قاتلوں کو گلے سے لگا لیا۔ بحیثیت مسلمان ہمارا روز آخرت پر ایمان ہے۔ خدا جانے ہم اس روز اپنے کشمیری اور افغان بھائیوں کا سامنا کس طرح کریں گے اور بھائیوں کی پشت میں چھرا گھونپنے کا حساب کس طرح دیں گے۔

ہم نے کنٹرول لائن پر فائر بندی کر کے بھارت کی ازلی خواہش کی تکمیل کے لیے آسانی فراہم کی اور بھارت نے فائر بندی کے جواب میں ہمیں کوئی آسانی فراہم کرنے کے بجائے کنٹرول لائن پر باڑ کی تعمیر شروع کر دی۔ ہم بھارت سے مذاکرات اور اچھے تعلقات کی امید میں باڑ کو بنتا دیکھتے رہے اور بھارت مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کے قتل عام میں جت گیا۔ ہم کنٹرول لائن پر ہاتھوں میں بندوق پکڑے خاموشی سے باڑ کی تعمیر دیکھتے رہے اور بھارتی سینا کی بندوقیں مجاہدین پر گولیاں برساتی رہیں۔ بھارتی وزیر خارجہ پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ میں مصروف رہا اور ہمارا وزیر خارجہ بھارت سے یک طرفہ تعلقات فروغ دینے میں لگا رہا۔ ہم نے بھارت سے اچھے تعلقات کی خاطر ہر شے بشمول عزت و آبرو تک داؤ پر لگا دی۔ ہمارے وزیر حارجہ نے فرمایا کہ ''بھارت کو باڑ لگانے سے روک کر سارک کانفرنس کا ماحول تباہ نہیں کرنا چاہتے۔''

ہم بھارت سے اچھے تعلقات کے لیے اس حد تک نیچے لگ گئے کہ سارک کانفرنس سے پہلے اسلام آباد میں لگے غوری میزائل کے ماڈل تک ہٹا دیئے۔ قائداعظم نے فرمایا کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے۔ ہمارے وزیر اطلاعات ونشریات نے کہا کہ ''ہم کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہنا چھوڑ سکتے ہیں۔'' ہمارا چھپن سالہ موقف تھا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ صدر پرویز مشرف نے فرمایا کہ ہم کشمیر پر رائے شماری کی قراردادوں سے دستبردار ہوسکتے ہیں۔ ہم نے 20 برس تک افغانستان میں روس کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کو جہاد کہا۔ برسرپیکار افغانوں، عربوں اور پاکستانیوں کو مجاہدین کے لقب سے پکارا۔ افغانوں کو اپنا بھائی قرار دیا اور افغان جہاد کو پاکستان کی بقا کی جنگ قرار دیا۔ حکمت یار اور اسامہ بن لادن کو مجاہد کہا۔ پھر ایک روز صبح سو کر اٹھے تو سارا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔ مجاہدین دہشت گرد بن چکے تھے۔ حکمت یار اور اسامہ بن لادن راندہ درگاہ قرار پا چکے تھے۔ لفظ جہاد طعنہ بن چکا تھا۔ مجاہدین کی حمایت دہشت گردوں کی پشت پناہی میں بدل چکی تھی۔ ہیرو‘ ولن اور ولن‘ ہیرو بن چکے تھے۔ جو سر پر بٹھائے جانے کے قابل تھے۔ وہ قابل گردن زدنی بن چکے تھے۔ جنہوں نے ہمارے لیے جانیں قربان کیں، ہم نے انہیں چن چن کر پکڑا اور دوسروں کے حوالے کر دیا۔

ہم نے چھپن سال تک کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا۔ ہم نے یہ سارا عرصہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں استصواب رائے کے ذریعے کشمیریوں کے مستقبل کے فیصلے پر زور دیا۔ ہم نے 12 برس تک کشمیریوں کو جنگ آزادی کے پروانے کہا اور ان کی جدوجہد کو حق خودارادیت کی جنگ قرار دیا۔ ہم نے لڑنے والوں کو مجاہد اور جان قربان کرنے والوں کو شہید کے درجے پر فائز کیا۔ پھر یوں ہوا کہ ہم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دینے سے پیچھے ہٹ جانے کا عندیہ دیا۔ ہم نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطالبہ سے دستبردار ہونے کا اشارہ دیا۔ ہم نے مجاہد کے لفظ کو بدل دیا۔ حق خودارادیت کی جنگ کے لیے مقبوضہ کشمیر جانے والوں کو درانداز مان لیا۔ ہم نے جہادیوں کو فسادی قرار دیا۔ ہم نے جہاد کے لیے چندہ اکٹھا کرنا جرم قرار دیا۔ ہم نے جہاد کے لیے جہادیوں کو پابند سلاسل کیا، تنظیموں کے قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے پر پابندی عائد کی۔ ہم نے کشمیری بھائیوں کا راستہ بند کروانے کے لیے بھارت کو لائن آف کنٹرول پر باڑ لگانے کے لیے سہولت فراہم کی اور لائن آف کنٹرول پر فائر بندی کر دی۔

بھارت میں اردو غزل کی آبرو اور لکھنؤ کے بے بدل شاعر عرفان صدیقی نے عشروں قبل ایک غزل لکھی تھی جو یقیناً کسی اور تناظر میں تھی لیکن لگتا یوں ہے کہ عرفان صدیقی نے یہ غزل کشمیری اور افغان بھائیوں کی زبان کے تناظر میں ہی بیان کی ہے:

تم ہمیں ایک دن دشت میں چھوڑ کر چل دیئے تھے، تمہیں کیا خبر یا اخی
کتنے موسم لگے ہیں، ہمارے بدن پر نکلنے میں، یہ بال و پر یا اخی

یہ بھی اچھا ہوا، تم اس آشوب سے، اپنے سرسبز بازو بچا لے گئے
یوں بھی کوئے زیاں میں، لگانا ہی تھا، ہم کو اپنے لہو کا شجر یا اخی

جنگ کا فیصلہ ہو چکا ہے تو پھر میرے دل کی کمیں گاہ میں کون ہے؟
اک شقی کاٹتا ہے طنابیں میرے خیمۂ خواب کی رات بھریا اخی

زرد پتوں کے ٹھنڈے بدن اپنے ہاتھوں میں لے کر ہوا نے شجر سے کہا
اگلے موسم میں تجھ پر نئے برگ و بار آئیں گے، تب تلک صبر کر یا اخی

افغان اور کشمیری بھائیو! ہم معذرت خواہ ہیں۔ ہم نے امریکہ بہادری کی خوشنودی کے لیے اسلام کے ایک مقدس رکن جہاد سے روگردانی کی۔ ہم آپ سے شرمندہ ہیں، لائن آف کنٹرول پر بھارت کو باڑ بنانے کے لیے فائر بندی کی سہولت فراہم کی۔ ہمیں معاف کر دینا یا اخی! ہم کمزور تھے لہٰذا ڈر گئے۔ ہم آرام طلب اور سہل پسند تھے، ہمیں پابندیوں کے خوف نے ڈرا کر رکھ دیا۔ ہمیں روز آخرت معاف کر دینا یا اخی!

……

قارئین کی خدمت میں ضروری گزارشات!

- لکھاری حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنی نگارشات ہر ماہ کی دس تاریخ تک یا اس سے پہلے، ارسال کر دیا کریں تاکہ وقت پر شاملِ اشاعت کی جا سکیں۔ تحریر کاغذ کے ایک طرف ہونی چاہیے۔
- خریدار حضرات سے التماس ہے کہ ہر مہینے کی سات تاریخ تک پرچہ موصول نہ ہونے کی صورت میں ''سرکولیشن منیجر، ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت''، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان'' سے رابطہ کریں۔
- ''نقیب ختم نبوت'' پر آپ کی رائے مطلوب ہے۔ آپ نے اسے کیسا پایا؟ اس میں مزید کن موضوعات کا اضافہ ممکن ہے؟ آپ کے مشورے، پرچہ کی ترتیب و تشکیل میں ممد ثابت ہو سکتے ہیں۔
- ذیل کے دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے، ازراہِ مہربانی مبلغ: ۱۵۰ روپے ''مدیر، ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت''، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان'' کے نام ارسال فرمائیں۔

پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام

مسئلہ کشمیر اور نئی صورتحال

ان دنوں سارک کانفرنس اور پاک بھارت سربراہوں کی ملاقات کا تذکرہ بام عروج پر ہے۔ ہماری حکومت کی جانب سے پاک بھارت مذاکرات اور سارک کانفرنس کی کامیابی کا ڈھنڈورا جس شدت کے ساتھ پیٹا جا رہا ہے' اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے کوئی بڑا اہم کارنامہ سرانجام دے لیا ہے۔ ایک ایسا کارنامہ جس کی مثال پچھلے چھپن برسوں میں پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ معاہدے پر دستخط کرنے والے دن کو تاریخ ساز دن قرار دیا جا رہا ہے۔ سرکاری تحویل میں کام کرنے والے' ریڈیو، ٹیلی ویژن سنٹر دن رات جنرل پرویز اور جمالی صاحب کی عظمت کے ترانے گاتے نہیں تھکتے۔ لوگوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ مسرت کے اس موقع پر حکومت کی کامیابی پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسائیں، رقص کریں، ناچیں گائیں، اُچھلیں کودیں کہ پاکستان نے بھارت کے وزیراعظم کو ملاقات کے لیے مجبور کر دیا ہے جس میں بھارتی وزیراعظم نے کشمیر سمیت تمام مسائل پر گفتگو کرنے کی حامی بھری ہے اور اگلے ماہ فروری میں پاک بھارت سیکرٹریوں کی ملاقات بھی طے ہوگئی ہے اور یہ سب کچھ دونوں ممالک کے درمیان جذبہ خیر سگالی اور امن کی خواہش کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب دونوں ملکوں کے عوام جنگ نہیں' امن چاہتے ہیں۔ لہٰذا امن کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے آپس میں میل ملاپ، ایک دوسرے ملک کے اندر مختلف وفود کا آنا جانا، جذبۂ خیر سگالی کو اُجاگر کرنے کے لیے کھلاڑیوں اور فلمی اداکاروں کا تبادلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ سارک کانفرنس کے فیصلے کے تحت دونوں ممالک کے درمیان آزاد تجارت کے امکانات بھی روشن ہوگئے ہیں۔ لہٰذا فکر کی کوئی بات نہیں۔ کشمیر سمیت سب معاملات اب طے ہو جائیں گے اور ایک مرتبہ پھر ہم دونوں ممالک دشمنی سے دوستی کی منزل کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ اخبارات اور دوسرے ذرائع نشر و اشاعت' یہ بات بھی تواتر سے بیان کر رہے ہیں۔ دونوں ملکوں کو دوستی کی فضا تک لانے کے لیے امریکہ بہادر نے ایک بنیادی کردار ادا کیا ہے جو واقعی اس خطہ میں امن چاہتا ہے۔ تا کہ ایٹمی اسلحہ سے لیس ممالک ایک دوسرے کے اتنے قریب آ جائیں کہ ایٹمی جنگ کے امکانات سرے سے بالکل ہی ختم ہو کر رہ جائیں اور امریکہ کے سرمایہ کار جو اپنے ہاتھوں میں ڈالر لیے ہندوستان کے اندر سرمایہ کاری کے لیے بے چین و مضطرب ہیں۔ وہ بھارت کے اندر سرمایہ کاری کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ امریکہ کی ایسے حالات میں پاک و ہند کے درمیان صلح کے لیے یہ دلچسپی اب چونکہ اُن کے اپنے ملک کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس لیے امریکہ بہادر دونوں ممالک کے درمیان جنگ کی بجائے صلح کے لیے ان تھک کوششوں میں مصروف ہے۔ ورنہ جس ملک کی وجہ سے پوری دنیا میں جنگ کی سی کیفیت پیدا ہو چکی ہو۔ اُس کے لب پر صلح کے ترانے کوئی اتنے سجتے نہیں ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی سب پر واضح ہے کہ اس سے پہلے امریکہ پاک و ہند کے درمیان صلح کی بجائے جنگ کا خواہش مند رہتا تھا کہ یہ بات اس کے معاشی مفاد میں تھی۔ کیونکہ اسلحہ بیچنے کا یہی ایک مؤثر طریقہ تھا کہ دونوں ممالک کے ساتھ تعلقات کشیدہ رہیں۔ اب چونکہ دونوں ممالک اپنا اہم اور بنیادی اسلحہ خود

بنا سکتے ہیں۔ اس لیے اب امریکہ کو ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں ممالک کے اندر سرمایہ کاری کر کے دونوں ممالک کی فنی مہارت اور سستی مزدوری سے فائدہ اُٹھا کر ان ممالک کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر اپنی تجوریاں بھر لے۔ گویا دونوں ممالک کے درمیان صلح کرانے کا امریکی عمل دخل کوئی نیک نیتی پر مبنی نہیں بلکہ امریکہ کا اپنا مفاد اس بات میں ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان امن و سلامتی کی فضا قائم ہوتا کہ وہ اپنی دکانداری کو بہتر طور پر چلا سکے۔ ظاہر ہے کہ بلی کوئی ثواب کے لیے تو چوہے نہیں کھاتی ' اُس نے اپنا پیٹ بھرنا ہوتا ہے لہٰذا پیٹ بھرنے کے لیے اُسے کہیں نہ کہیں سے چوہے مل ہی جاتے ہیں۔

جہاں تک ''سارک کانفرنس'' کے حوالے سے مسئلہ کشمیر کا تعلق ہے۔ قارئین حضرات کو اس بات کا علم ہی ہے کہ ''سارک'' کی تنظیم کے چارٹر میں ایسی کوئی شق سرے سے موجود ہی نہیں جس کے تحت متنازعہ امور کو زیر بحث لایا جا سکے۔ لہٰذا کشمیر کے حوالے سے تو سرے سے کوئی بات نہ ہی کانفرنس میں زیر بحث آئی ہے اور نہ ہی کوئی ایسی بات کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے جنرل صاحب کی طرف سے بطور تجویز یہ بات اخبارات میں شائع ہوئی ہے کہ سارک کانفرنس کے چارٹر میں ترمیم کر کے رکن ممالک کے درمیان متنازعہ امور کو زیر بحث لانے کی اجازت ہونی چاہیے تاکہ بنیادی اختلافات کو ختم کر کے سلامتی کی راہ پر خود اعتمادی کے ساتھ آگے بڑھا جا سکے۔ لہٰذا اس مجبوری کے تحت کشمیر کے بارے میں اگر کوئی بات ہوئی ہے تو وہ ہمارے جنرل اور وزیر اعظم کے ساتھ بھارتی وزیر اعظم کے درمیان ہونے والی ملاقاتوں میں ہی ہوئی ہے۔ لیکن اخباری اطلاع کے مطابق پاکستان نے ایک ایسی قربانی دی ہے جو قربانی ہمارے پہلے حکمران چاہتے ہوئے بھی نہ دے سکے۔ یعنی کشمیر کے مسئلہ پر جو مؤقف حکومتِ پاکستان کا ایک بنیادی مؤقف رہا ہے کہ کشمیر کے اندر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری کے ذریعے کشمیریوں کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اس موقف سے پاکستان نے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور تجویز پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ اور توقع یہ کی جارہی ہے کہ جواب میں بھارت بھی یہ کہنا بند کر دے گا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ بھارت اب کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہتا ہے کہ نہیں اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت کرے گا۔ لیکن پاکستان کا موقف یو۔ این۔ او کی قراردادوں سے انحراف کی وجہ سے ضرور کمزور ہو گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر دو ملاقاتوں کے بعد اخبار نویسوں کو ملاقاتوں کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں کی گئی بلکہ مکمل خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ اس میں بھی مصلحت یہی ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے' عوام الناس سے پوشیدہ رکھا جائے۔ تاکہ اس کی تکمیل کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ پیدا نہ ہو جو پورے ''پلان'' کو ناکام کر کے رکھ دے۔ بلکہ ایک اخباری اطلاع یہ بھی ہے کہ ملاقاتوں میں ہونے والی باتوں سے خود ہمارے وزیر خارجہ بھی بے خبر رہے ہیں۔ در پردہ اس ساری کارستانی میں بھارت کے مسٹر برجیش مشرا اور پاکستان کے صدر کے قادیانی پی اے طارق عزیز نے ہی سارا کردار ادا کیا ہے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ جو جنرل صاحب ایک مدت سے پاک بھارت تعلقات کے درمیان بنیادی مسئلہ کہتے رہے ہیں' نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اس کے برعکس تجارت، کھیل، ثقافت اصل مسئلے کے طور پر آگے آ گئے ہیں۔ لہٰذا یہ توقع رکھنا کہ بھارت کسی مرحلہ پر اپنے آئین سے 370 کی شق خارج کرنے کی خوشخبری دے گا۔ خارج از امکان ہے یاد رہے کہ بھارت نے اسی شق کے تحت کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دیا تھا۔ اس سارے قصے میں نقصان کشمیریوں کا ہوا ہے۔ جن کی قسمت اب

تک اقوام متحدہ کی قراردادوں سے وابستہ ہوگئی ہے کہ بھارت کشمیر کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے۔ دوسری بات جو قابل غور ہے یہ کہ پاکستان اور بھارت دونوں مشترکہ طور پر کشمیر میں رائے شماری کے پابند ہیں۔ اگر پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کو الگ رکھ دیتا ہے تو تنازعہ کشمیر کے ایک فریق کی حیثیت میں اس کی اپنی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ پاکستان مذاکرات کے دوران مسئلہ کشمیر پر کہاں سے بات شروع کرے گا اور بھارت کے موقف کے جواب میں اقوام متحدہ کی قرارداد کے علاوہ کیا کہے گا۔ جبکہ صورت حال یہ ہیکہ ہماری طرف سے ہر رعایت کے جواب میں بھارتی ردّعمل مثبت نہیں ہے بلکہ منفی ہے۔ بھارت نے کشمیر کے اندر ہمارے یک طرفہ جنگ بندی کے اعلان سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کنٹرول لائن پر باڑیں لگانی شروع کردی ہیں۔ اور پاکستان اس پر خاموش ہے۔ یہ پراسرار خاموشی کس لائحہ عمل کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

ہمارے جنرل پرویز صاحب نے کشمیر کے مسئلہ پر اپنا مؤقف بتدریج تبدیل کیا ہے۔ جب انہوں انے اقتدار پر قبضہ کیا تھا تو نواز شریف اور واجپائی کے درمیان ہونے والے معاملات کے نتیجے میں ''لاہور سمٹ'' کو یہ کہہ کر مسترد کردیا تھا کہ وہ بھارت سے مذاکرات اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک بھارت کشمیر کے مسئلہ کو مرکزی مسئلہ تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن 2001ء میں آگرہ کے مقام پر انہوں نے اپنے موقف میں اس وقت پہلی لچک دکھائی، جب وہ بھارتی تجویز جس میں جامع مذاکرات کی بات کہی گئی تھی کے ساتھ اتفاق کرگئے تھے۔ جس کے تحت کشمیر کا مسئلہ تو ضرور ہوگا لیکن اسے بنیادی مسئلے کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔ اب بھی جامعہ مذاکرات کی بات طے ہوئی جس میں کشمیر کا مسئلہ تو آئے گا لیکن یہ کوئی بنیادی مسئلہ نہیں ہوگا۔

نئی صورت حال میں دوسرا مسئلہ دہشت گردی کا ہے جس کے بارے میں معلومات یہی ہیں کہ پاکستان نے وہ بات مان لی ہے جس پر بھارت کو اصرار تھا۔ اور وہ ایک مدت سے یہ کہتا چلا آرہا تھا کہ مذاکرات اس وقت تک نہیں ہوں گے۔ جب تک کشمیر میں بیرونی دہشت گردی بند نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو کشمیر کی جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں وہ ''ہیرو'' ہیں یا پھر دہشت گرد؟ دہشت گردی اور جنگِ آزادی میں کیا فرق ہے؟ دہشت گرد کی تعریف تو اقوام متحدہ جو کہ دنیا کا سب سے بڑا ادارہ ہے، وہ نہیں کرسکا۔ پھر پاکستان اس بات کا کہاں تک مجاز ہے کہ دہشت گردی کی اس تعریف کو تسلیم کرے جو بھارتی موقف کو مضبوط کرتی ہے اور ریاستی دہشت گردی کی بات کو سرے سے نہ اُٹھائے جس کا شکار پچھلے چودہ برسوں سے کشمیری ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اَسی ہزار نوجوان جام شہادت نوش کرگئے۔ کتنے بچے یتیم ہوگئے، کتنی عورت کو بھارتی درندوں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، کتنے بڑھاپے بے سہارا ہوئے؟ اس کا ذکر کہیں نہیں۔ ایسے حالات میں کشمیر کے مقدمے کا کیا مستقبل ہے، اس کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا۔ ایسی صورت حال پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں حکومتِ وقت کے اس کارنامے پر خوشی کا مظارہ کرنا چاہیے یا پھر ماتم؟

گلۂ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری

☆☆☆

الیاس نعمانی

عراق میں امریکہ کا مستقبل؟

عالمی سیاسی حلقوں میں آج کل جو موضوع سب سے زیادہ زیرِ بحث ہے وہ ہے، عراق میں امریکہ کا مستقبل کیا ہوگا؟ عراقی جنگ کے خاتمہ کے امریکی اعلان کے بعد روز افزوں اور شدت اختیار کرتی جہادی مزاحمت نے اس سوال کو مزید اہمیت دے دی ہے۔ اس مزاحمت اور اس کے نتیجے میں ہونے والے امریکی جانی نقصان کے بارے میں ہر صبح کچھ نہ کچھ اخبارات کی زینت اور عوام کی دلچسپی کا سبب بنتا ہے، لیکن اخبار و رسائل کی زینت بننے والا یہ ’’کچھ نہ کچھ‘‘ پوری حقیقت سے کتنا قریب یا کتنا دور ہوتا ہے، اس سلسلے میں کوئی قطعی بات کہنا آسان نہیں، کہ ہمارا عام میڈیا اس سلسلے میں اکثر امریکی ایجنسیز پر ہی انحصار کرتا ہے، لیکن کبھی کبھار کچھ ایسی رپورٹیں منظر عام پر آ جاتی ہیں جن سے حقیقت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے، ایسی ہی کچھ چیزیں کویت سے شائع ہونے والے مشہور عربی ہفت روزہ ’’المجتمع‘‘ میں کچھ دنوں قبل ایک طویل مضمون میں ضمنی طور پر نقل کی گئی تھی، (مورخہ 14/نومبر 2003ء) کے ’’ہندوستان ٹائمز‘‘ میں بھی سی آئی اے کی ایک ایسی رپورٹ کے کچھ اقتباسات نقل کئے گئے ہیں۔ ذیل میں یہی دونوں (بالترتیب) تلخیص و ترجمہ کے ساتھ نذرِ قارئین ہیں۔

(1) عراق میں امریکی فوج کے مقتولین اور زخمیوں کی روز افزوں تعداد پر امریکی کانگریس کے متعدد ارکان نے اپنے خوف و قلق کا اظہار کیا ہے، سینٹ میں مسلح افواج کے متعلق کمیٹی کے سربراہ ڈنکن ہنٹر کا کہنا ہے کہ: ’’امریکی فوج نے دہشت گرد عناصر کو شکست تو دے دی ہے لیکن ابھی ان کا خاتمہ نہیں کیا ہے‘‘ انہوں نے مزید کہا کہ ’’امریکی افواج کو مستقبل میں ایک ’’نامعلوم انجام‘‘ کا سامنا ہے اسلئے کہ یورپ اور ایشیا میں ابھی ہمارے بہت سے طویل مدتی اہداف پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے ہیں، نیز عراق و افغانستان کے سلسلے میں ہمارے اوپر بھاری ذمہ داریاں ہیں جو ہمیں ادا کرنی ہیں، ہم جانتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ کتنے دن چلے گی، اور کبھی ختم ہوگی بھی یا نہیں اس لئے ہماری افواج کی امن و حفاظت کا مسئلہ مستقبل میں ایک پیچیدہ و ناقابل حل مسئلہ ہی رہے گا۔‘‘

اسی کمیٹی کے ایک رکن آئیک سیکٹن کا کہنا ہے کہ:

’’عراق میں امریکی نقصانات کی زیادتی امریکی حملہ کے طریقۂ کار اور حکمتِ عملی پر نظر ثانی کے لئے مجبور کرتی ہے، انہوں نے مزید کہا کہ عراق میں صدام حسین کی حکومت کے زوال کے بعد دو مہینوں میں امریکی مقتولین کی تعداد پچھلے پورے سال میں افغانستان میں مارے گئے امریکیوں سے زیادہ ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہاں روزانہ ایک امریکی فوجی مارا جا رہا ہے۔‘‘

یہ اعداد و شمار حقیقت سے بہت کم ہیں، امریکی فوج میں سنٹرل کمانڈ کے چیف جنرل ٹامی فرینکس نے امریکی کانگریس کی ایک کمیٹی کے سامنے روزانہ مرنے والوں کی اوسط تعداد دس بتائی ہے، جنرل فرینکس کے بیان کی تائید خود امریکی حکومت کی ان

رپورٹس سے بھی ہوتی ہے، جن کے مطابق روزانہ امریکی فوجیوں پر تقریباً پندرہ حملے ہوتے ہیں۔ یہ اعتراف امریکی وزیر دفاع رمسفیلڈ نے دو ہفتے قبل یہ کہتے ہوئے کیا کہ ’’روزانہ ہونے والے حملوں کی تعداد 25 سے گھٹ کر 15,14 تک رہ گئی ہے‘‘ عراق میں رہنے والے عینی شاہدین کے نزدیک امریکی نقصانات ان سب سے کہیں زیادہ ہے، ان عینی شاہدین کا یہ بھی کہنا ہے جب کبھی کوئی حملہ ہوتا ہے امریکی فوجیں اس کے آثار و نشان مٹانے کے لئے تیزی سے سرگرم عمل ہو جاتی ہیں، مشہور برطانوی روزنامے گارجین کی گزشتہ ہفتہ شائع ہوئی ایک رپورٹ کے مطابق چھے ہزار امریکی فوجی زخمی ہوئے ہیں جن میں سے پندرہ سو شدید زخمی ہیں۔

عراق میں تعینات امریکی فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ اڑتالیس ہزار ہے، جن میں تقریباً چالیس ہزار ایسے ہیں جو امریکی شہری نہیں ہیں، بلکہ گرین کارڈ لئے ہوئے امریکہ میں رہتے ہیں، ان میں سے اکثر لاطینی نسل سے بھی تعلق نہیں رکھتے ہیں، اور یہی وہ چیز ہے جو امریکی انتظامیہ کی نقصان چھپانے کی کوشش کو مدد فراہم کرتی ہے۔ امریکی وزارت دفاع کے بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ ان میں سے بعض کو یہ امید دلائی گئی ہے کہ اس جنگی مہم کے بعد انہیں تعلیم کے لئے پچاس ہزار ڈالر دئے جائیں گے، بعض کو نوکریوں کی لالچ دی گئی ہے، اور بعض سے امریکی شہریت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (خیال رہے کہ یہ جس تحریر کی ترجمانی ہے وہ ستمبر کی لکھی ہوئی اور اب سے کوئی دو ماہ پہلے کی ہے اور ان دو ماہ میں امریکی فوج کے لئے حالات کئی گنا زیادہ خراب ہوئے ہیں، حملوں کی شدت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

(**المجتمع** 27/ستمبر 2003ء)

(2) امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کی اس رپورٹ کے بعد عراق کی گوریلا جنگ امریکہ کے کنٹرول سے باہر ہوتی جا رہی ہے، وہائٹ ہاؤس نے سیاسی اقتدار عراقیوں کو جلد سے جلد سونپنے کا منصوبہ بنایا ہے، اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ عراقی عوام کی مزاحمت روزانہ بڑھتی جا رہی ہے۔ فوجی تحقیقاتی ایجنسی کے ایک کارکن کا کہنا ہے کہ مزاحمت کرنے والے افراد کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی ہے، اس ایجنسی سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے جو اس رپورٹ سے واقف ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ’’اس رپورٹ میں ہے کہ اگر صورت حال میں تیز ڈرامائی تبدیلی نہیں آئی تو ہم ایک بازی ہارتے جا رہے ہیں، اور حالات ہمارے قابو سے نکلتے جا رہے ہیں، مزاحمت صرف صدام کی بعث پارٹی والے ہی نہیں کر رہے، بلکہ ہزاروں لوگ ہمارے خلاف میدان میں ہیں‘‘۔ یہ رپورٹ جس پر پال بریمر (عراق میں امریکی انتظامیہ کے سربراہ) کے دستخط ہیں، یہ سمجھا جا رہا ہے کہ یہ بریمر کی جانب سے جارج بش کو یہ پیغام ہے کہ صورت حال نہایت خراب ہے۔

(مطبوعہ: ’’الفرقان‘‘ لکھنؤ دسمبر 2003ء۔ ’’ہندوستان ٹائمز‘‘ 14 نومبر 2003ء)

’’نقیبِ ختم نبوت‘‘ میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

ضیاءالدین لاہوری

سرسید بیچارہ قابلِ گردن زدنی کیوں؟

روزنامہ ’’دن‘‘ پیام شاہجہان پوری نے اپنے کالموں میں ’’سرسید احمد خان کا گناہ‘‘ کے زیرِعنوان ایک اہم نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اگر اسے گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو یہ ان لوگوں کے لئے جو سرسری مطالعے کی عادت رکھتے ہیں، برین واشنگ کی ایک دانستہ کوشش محسوس ہوتی ہے جبکہ تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے نزدیک ان کے نتائج محض الفاظ کی ہیرا پھیری ہیں۔ موصوف اس سے پیشتر بھی متعدد بار اس موضوع پر طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ ان کی مقالہ نما تحریر کا خاص پہلو اُن کا تحقیقی انداز ہے۔ انہوں نے ایسے فتوے پیش کئے ہیں۔ جن میں ایک مخصوص ٹولے کے قوم دشمن کرتوت بظاہر جائزہ دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل وہ اپنی طرف سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انگریزی حکومت کی مخالفت شرعاً حرام تھی۔ دوسرے الفاظ میں برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی کی خاطر انگریزوں کے خلاف جو قربانیاں دیں وہ ان کا ایک ناجائز فعل تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ صاف صاف بات کرنے سے گریزاں ہیں ورنہ ان کی نام نہاد تحقیق سے واضح طور پر نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ کہ آزادی کی جدوجہد میں پاکستان کا قیام، جس کا حصول بہرحال انگریزی حکومت کی مخالفت کے بغیر ممکن نہ تھا، ناجائز ذریعے سے عمل میں آیا۔ راقم ان کی تحریر کو حسبِ سابق نظر انداز کر دیتا مگر انہوں نے جو آخر میں سوالیہ چیلنج کر ڈالا کہ کیا کسی کے پاس ان حقائق کا جواب ہے؟‘‘ اس نے مجبور کیا کہ موصوف کی مبینہ تحقیقی کاوشوں کا اصل پس منظر پیش کیا جائے تاکہ سادہ لوح قارئین چیلنج کا جواب نہ پا کر ان کی باتوں کو کہیں حقیقت نہ سمجھ بیٹھیں۔ اخباری کالموں کی تنگ دامنی پیشِ نظر ہے، جواب میں اختصار کی انتہائی کوشش کے باوجود حقائق کی وضاحت میں ہلکی سی طوالت مجبوری ہے۔ (گو تشنگی پھر بھی محسوس ہو گی کیونکہ محدود ضمانت کے باعث مسئلہ کے ہر پہلو پر بحث ممکن نہ ہو سکے گی) ورنہ راقم کے پاس اس قدر مواد موجود ہے کہ موصوف کے زیرِتسلط جرائد کے بار بار شائع ہونے والے ’’۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر‘‘ کے جواب میں کئی گنا ضخیم نمبر تیار کئے جا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات غور طلب ہے کہ موصوف کو اس دور میں جبکہ برصغیر میں انگریزوں کی غاصب حکمرانی کا نظریہ قبول کیا جا چکا ہے اور 1857ء کی جدوجہد ’’جنگِ آزادی‘‘ تسلیم کی جاتی ہے، انگریزوں کی حکومت کو جائز ثابت کرنے کی اب کیا ضرورت پیش آ گئی۔ وہ اپنے نظریے کے جواز میں مسلمانوں کی مختلف فرقوں کے علماء کے فتاویٰ پیش کرتے ہیں اور ہوشیاری یہ دکھاتے ہیں کہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل ادوار کے مختلف حالات کے پس منظر میں تحریر کئے گئے فتووں کے نتائج کو زبردستی پیچھے لے جا کر 1857ء پر منطبق کر دیتے ہیں۔ وہ اس جدوجہد کو ’’فساد‘‘ قرار دینے والوں کی شان میں پورے جوش سے رطب اللسان ہیں اور ان کے لیے بڑے معزز القابات تحریر کرتے ہیں۔ وہ فتوے دینے والے علماء کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں ممتاز دینی شخصیت، جید عالم، اکابرین، فاضل علماء، بزرگ، شیخ الکل اور بے نفس عالم وغیرہ وغیرہ خطابات سے نوازتے ہیں۔

موصوف نے اپنے مسلک کی حمایت میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی ممانعت کے حق میں جن نکات کی نشاندہی کی ہے

ان کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں بحث کی وسیع گنجائش موجود ہے وہ ان فتوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان حکومت انگریزی سے وفاداری کا عہد و پیمان کر چکے تھے۔ اس لیے ان کی مخالفت کسی صورت نہیں کر سکتے تھے۔ کون سا عہد و پیمان؟ کس نے کس حیثیت میں یہ عہد و پیمان کیا؟ کہاں کوئی معاہدہ ہوا؟ اس معاہدے کی شرائط کیا تھیں؟ کیا یہ انتظامی نوعیت کا معاہدہ تھا یا اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ ہندوستانی مسلمان انگریزوں کو باضابطہ حکمران تسلیم کرتے ہیں اور وہ ان کے وفادار رہیں گے؟ بالفرض محال اگر کسی معاہدے کی خبر گھڑ بھی لی جائے تو کیا انگریزوں نے اس معاہدے کی پاسداری کی یا حدود سے تجاوز کیا؟ اور کیا حدود تجاوز کرنے پر معاہدے برقرار رہتے ہیں؟ پھر جن ادوار میں متذکرہ فتوے لکھے گئے، کیا ان میں کوئی معاہدے زیرِ عمل تھے؟ انگریزوں کے مقابلے میں فریق ثانی کون تھا اور کس بنیاد پر وہ فریق برصغیر کے مسلمانوں کی نمائندگی کا حق دار قرار پایا تھا؟ کیا استفسار کرنے والوں اور فتوے دینے والوں نے اپنے سوال و جواب میں مسئولہ نکات کو واقعی مدنظر رکھا؟ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ''انگریزی حکومت اور رعایا کے درمیان ایمان و پیمان موجود ہے'' بات نہیں بن جاتی۔ ان تمام نکات پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر موجود نشست میں ان تمام باتوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ ماضی کے تصوراتی عہد و پیمان کی بات کریں تو کل کلاں اگر ہماری کوئی اقلیت خدانخواستہ ہمارے کسی دشمن سے اپنی غلامی کا کوئی معاہدہ کر لے تو کیا پاکستانی مسلمانوں پر اس کی پابندی واجب ہو جائے گی؟

ایک بات راقم کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آ سکی کہ موصوف ایک خاص مسئلہ کے ضمن میں سرسید کے دفاع میں تو بہت فعال دکھائی دیتے ہیں مگر اس بحث میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام تک بھی نہیں لیتے۔ حالانکہ سرسید کی طرح مرزا صاحب بھی بہت مطعون ہیں۔ وہ بھی تو اس معاملے میں اسلام کا نام لے کر وہی کچھ کہتے رہے۔ جو سرسید نے فرمایا تھا مگر موصوف ان کے دفاع میں آگے نہیں آتے۔ اسے تجاہل عارفانہ کا نام دیا جائے یا کوئی خاص مصلحت؟ ایک ہی مسلک کے نہایت ہی قابل احترام علماء کے متضاد فتوؤں کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ البتہ کسی فتوے کے نتائج سے اتفاق یا اختلاف سے قطع نظر یہ امر مسلّم ہے کہ موصوف کے پیش کردہ فتوؤں کی عبارت ان مغلظات اور لعن طعن سے یکسر خالی ہے جو سرسید اور مرزا قادیانی کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ موصوف ''۱۸۵۷ء کا جہاد'' یا ''سرسید احمد خان کا گناہ'' کے عنوانات کے تحت جب بار بار انہی فتوؤں کا سہارا لیتے ہیں تو یہ شک قوی ہو جاتا ہے کہ سرسید کے دفاع کی آڑ میں اصل مقصود مرزا غلام احمد قادیانی کو بچانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اشخاص اس مسئلے پر ''متفق علیہ'' اور حیران کن حد تک ہم آہنگ و ہم زبان تھے۔ اس موضوع پر ان کے اقوال زبان و بیان کی بندش اور طرزِ تحریر کے اعتبار سے اس قدر یکساں ہیں کہ بعض اوقات ان کی بناوٹ ایک ہی کارخانے کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بات اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ موصوف کے القابات یافتہ علماء کے فتوؤں کے مقابلے میں ان دونوں کی یک زبانی کے نمونے پیش نہ کئے جائیں جن کی پردہ پوشی کی خاطر لوگ تحقیق کے نام پر بڑے بڑے پرفریب جال بنتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے موضوع پر ان حضرات کے اقوال کا ایک خاکہ ملاحظہ فرمائیں:

قول سرسید

''ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا اعلان ہوا...... اس زمانہ میں جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا' ایسے

خراب اور بدرویہ اور بداطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ اور رنگ کے اور کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا۔‘‘

(اسباب سرکشی ہندوستان، صفحہ 7,6)

قول مرزا قادیانی

’’1857ء میں مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا۔‘‘

(ازالہ اوہام، صفحہ 722)

قول سرسید

’’اس ہنگامہ میں نہایت بدمعاش اور جاہل، بےعلم آدمی، جو مولویوں کے نام سے مشہور تھے......ان کو تمام اخباروں میں اس طرح چھاپا گیا جیسا کہ کوئی سچ مچ کا مولوی اور مسلمانوں کا بڑا عالم اور بڑا خداپرست ہے......حالانکہ وہ لوگ محض جاہل اور بےعلم اور واہی آدمی تھے۔ کوئی مسلمان ان کو اچھا نہیں جانتا تھا اور ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں میں مذہب کی باتوں میں مقتدا اور مولوی نہ تھا۔ جس قدر کہ اچھے اور خداپرست اور سچ مچ کے مولوی اور درویش تھے، ان میں سے کوئی شخص اس فساد میں شریک نہیں ہوا۔‘‘

(لوئل محمڈنز آف انڈیا (۲) صفحہ 10)

قول مرزا قادیانی

’’1857ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلاء اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان، جو باعمل اور باتمیز تھا، ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا۔‘‘ (براہین احمدیہ (3) صفحہ 68)

قول سرسید

’’اس ہنگامہ میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی...... ہاں، البتہ چند بدذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورا کرنے کے اور جاہلوں کے بہکانے کو اپنے ساتھ جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرامزادگی تھی، نہ واقع میں جہاد۔‘‘ (اسباب سرکشی ہندوستان، صفحہ 7)

قول مرزا قادیانی

’’جب ہم 1857ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتووں پر نظر ڈالتے ہیں، جنہوں نے عام طور پر مہریں لگادی تھیں، کہ انگریزوں کو قتل کرنا چاہیے تو ہم بحرِ ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جنہیں نہ رحم نہ عقل، نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔‘‘ (ازالہ اہام، صفحہ 723)

قول سرسید

’’یہ ہنگامہ فساد جو پیش آیا صرف ہندوستان کی ناشکری کا وبال تھا......تم نے کبھی خدا کا شکر ادا نہیں کیا اور ہمیشہ ناشکری

کرتے رہے۔ اس لیے خدا نے اس ناشکری کا وبال تم پر ڈالا۔'' (سرکشی ضلع بجنور۔ صفحہ 141۔142)

قول مرزا قادیانی

''1857ء میں مفسدہ پرداز لوگوں کی حرکت کو خدا نے پسند نہیں کیا اور آخر طرح طرح کے عذابوں میں وہ مبتلاء ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے محسن اور مربی گورنمنٹ کا مقابلہ کیا۔'' (تحفہ قیصریہ۔ صفحہ 11)

اس کے علاوہ سرسید نے اپنی تصانیف میں بار بار مجاہدین کو مفسد، حرام زادہ، نمک حرام، غنیم، دشمن، غدار، کافر، بے ایمان، بدذات، بدمعاش وغیرہ ناموں سے پکارا۔ میں یہاں محترم موصوف ہی کے انداز میں یہ دہائی دینے کی جسارت کرتا ہوں کہ کیا متذکرہ علماء کے فتووں کی زبان بھی ایسی گندی تھی؟ لوگو! انصاف کرو انصاف!

موصوف کالم نگار ایک جگہ فرماتے ہیں: ''یہی مؤقف سرسید احمد خان کا تھا کہ سلطنت برطانیہ میں مسلمان امن و امان کی زندگی گزار رہے ہیں اور انگریزی حکومت ان کی دینی و معاشرتی امور میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اس لیے انگریزوں کے خلاف جہاد جائز نہیں۔'' میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ سرسید کے اس موقف کو بیان کرتے ہوئے موصوف نے بددیانتی سے کام لیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا مطالعہ سرسید نامکمل ہو کیونکہ سرسید اس معاملے میں مسلمانوں کے خلاف نہایت سخت رویہ رکھتے تھے۔ ایڈیٹر پاینیئر کے نام ایک مکتوب میں انہوں نے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

''اگر بالفرض گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے کچھ دست اندازی بھی ہو تو ان کے حق میں یہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے ملک کو چھوڑ جائیں۔ نہ کہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں بغاوت کریں۔'' (مکاتیب سرسید احمد خان۔ صفحہ 66)

اس سے بھی بڑھ کر وہ اپنی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں: ''جو لوگ اس ملک میں جہاد بطور رعیت کے رہتے ہوں یا امن کا اعلانیہ یا ضمناً اقرار کیا ہو اور اگر بوجہ اسلام ان پر ظلم ہوتا ہو تو بھی ان کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ یا اس ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں۔'' (تفسیر القرآن (1) صفحہ 239)

غور فرمائیں کہ انگریز ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ دست اندازی کریں بلکہ بوجہ اسلام ان پر ظلم کریں تو بھی سرسید مسلمانوں کو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیا موصوف کے پیش کردہ علماء کے فتووں میں مسلمانوں کو اس قدر بے غیرت بن جانے کی کوئی دلیل ملتی ہے؟ لوگو! انصاف کرو انصاف!

آخر میں اس قدر عرض کروں گا کہ موصوف خود علماء کے فتووں کی عبارت کا سرسید کی تحریروں سے موازنہ کریں (سرسید کے ''جاسوسی کارناموں'' کا میں نے ابھی ذکر نہیں کیا) اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ کس نے کس حد تک قوم دشمنی یا غداری کا ارتکاب کیا۔ موصوف بار بار اس بات کا گلہ کرتے ہیں کہ صرف ''سرسید غریب کیوں کشتنی و قابل گردن زدنی؟'' تو عرض ہے کہ اس قبیل میں مرزا قادیانی، میر جعفر، میر صادق بھی شامل کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ موصوف کے بیان کردہ شرعی تقاضوں کی روشنی میں سرسید سے کہیں زیادہ انگریزوں کے ''باعمل'' وفادار ثابت ہوئے تھے کیا ایسی صورت میں موصوف پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ ان اشخاص کے بھی دفاع کا فریضہ انجام دیں' بھرپور کالم لکھیں اور ''ثواب دارین'' حاصل کریں؟

شورش کاشمیریؒ

عظمت موت کے دروازے پر

ٹوٹتی شب 22 فروری دو بج کر دس منٹ پر مرحوم دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد اللہ کو پیارے ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی موت ایک عظیم انسان کی موت ہی نہیں‘ ایک فقید المثال ادارے کی موت ہے۔ ایشیا کا سب سے بڑا مسلمان ہمیشہ کی نیند سوگیا۔ ایک قافلہ جو نصف صدی سے بے راہ مسافروں کو گم شدہ منزلوں کا پتہ دیتا ہوا تاریخ کی شاہراہ پر چل رہا تھا۔ ایکا ایکی موت کی وادی میں داخل ہوگیا۔ وہ ہندوستان میں ابن تیمیہؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے فکر و نظر کا چشمہ صافی تھا۔ جس کی سوتوں سے تشنہ دہانوں نے آب حیات کا مزہ پایا اور ویران زمینوں میں سبزہ پھوٹا۔ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمتہ نے آپ کے ذکر میں لکھا تھا:

’’ان سطروں کے لکھتے وقت مجھ کو یہ دھوکہ ہو رہا ہے کہ کیا میں خود ابن تیمیہ اور ابن قیم یا شمس الائمہ سرخسی اور امیہ بن عبدالعزیز اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا ہوں۔‘‘

بے شبہ آج ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ اور امیہ بن عبدالعزیز اندلسیؒ کی لافانی صفات کا مرقع اٹھ گیا۔ وہ اتنی دور چلا گیا کہ جو لوگ ان بستیوں میں چلے جاتے ہیں‘ پھر لوٹتے نہیں۔ اور جو پیچھے رونے کے لیے رہ جاتے ہیں۔ انہیں خود موت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ہم آج اشکبار چہروں کے ساتھ اس کی یاد میں دل کے پرچم جھکاتے ہیں۔

یہ ہندوستان ہی کا ماتم نہیں‘ ایشیا کا ماتم ہے، مسلمانوں کا ماتم ہے، اسلام کا ماتم ہے، علم کا ماتم ہے، عمل کا ماتم ہے۔

وقت کروٹیں لیتا رہے گا۔ انسان کتم عدم سے بساط ہستی پر جلوہ نما ہوتے رہیں گے، کائنات چلتی رہے گی، سورج معمول کے مطابق نکلے گا اور ڈوب جائے گا، آسمان ہر شام شفق کی گلگوں قبا پہنے گا، تاروں کی محفل سجتی رہے گی، چاند اپنے طلوع و غروب کے ضابطے پورے کرے گا۔ غرض مظاہر فطرت ازل سے ابد کی طرف اسی طرح قدم اٹھائے بڑھتے رہیں گے...... مگر...... جو سورج آج ڈوبا ہے، جو کائنات آج اجڑی ہے، جو ستارہ آج ٹوٹا ہے اور جو چاند آج چھپا ہے‘ وہ سورج پھر طلوع نہیں ہوگا، وہ کائنات ہمیشہ ویران رہے گی، اس ستارے کا دوبارہ ابھرنا ممکن نہیں اور وہ چاند آئندہ کبھی فلک کے دریچوں سے نہیں جھانکے گا۔

اس نے ہم کو پکارا، ہم نے صدا بصحرا سمجھا۔ اس نے ہم کو جھنجھوڑا‘ ہم نے ترک و اعراض کی سنتوں کو تازہ کیا۔ اس نے اپنے دل کے خون سے ہمارے پیالوں کو لبریز کیا۔ ہم نے اس کے لیے زہر کا جام اٹھایا اور کہا ’’سقراط کے بعد یہ پیالہ اب تمہیں پینا ہوگا۔ وہ ہماری خزاں کو پکارتا رہا کہ اپنا دامن اس کی بہار سے بھرلے۔ لیکن ہم اس کی راہ میں کانٹے بچھاتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ زندگی ہی میں ایک مزار ہوگیا۔ وہ زندہ ضرور رہا‘ لیکن موت کے انتظار میں۔ آخر موت کے دروازے پر اس کی دستک کامیاب ہوگئی۔ اسے موت نہیں لے

گئی۔ وہ ہم سے روٹھ کر چلا گیا ہے کہ

وہ بت کدوں میں اذان دیتے دیتے تھک گیا تھا

مرحوم دہلی نے جہاں تاریخ کے اور بہت سے ورق اپنی گود میں لے رکھے ہیں‘ وہاں آج کی تاریخ کی یہ عظمت بھی اس کی گود میں دفن ہو رہی ہے۔ اور ہم عقیدت وارادت کی جبینیں جھکائے ہوئے زخمی دلوں کے ساتھ اس کی بارگاہ عظمت کو اپنے اشکبار چہروں کا سلام بھیجتے ہیں:

موجوں میں تلاطم برپا ہے سالار کے مارے جانے سے

(’’چٹان‘‘۔ لاہور 22 فروری 1958ء)

حقائق ہستی

’’اگر جسم میں روح بولتی اور لفظ میں معنی اُبھرتا ہے تو حقائق ہستی کے اجسام بھی اپنے اندر کوئی روحِ معنی رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ معمۂ ہستی کے بے جان اور بے معنی جسم میں صرف اسی ایک حل سے روحِ معنی پیدا ہو سکتی ہے‘ ہمیں مجبور کر دیتی کہ اس حل کو حل تسلیم کر لیں۔

اگر کوئی ارادہ اور مقصد پردے کے پیچھے نہیں ہے تو یہاں تاریکی کے سوا اور کچھ نہیں ہے لیکن ایک ارادہ اور مقصد کام کر رہا ہے تو پھر جو کچھ بھی ہے۔ روشنی ہی روشنی ہے‘ ہماری فطرت میں روشنی کی طلب ہے‘ ہم اندھیرے میں کھوئے جانے کی جگہ روشنی میں چلنے کی طلب رکھتے ہیں اور ہمیں یہاں روشنی کی راہ صرف اسی ایک حل سے مل سکتی ہے۔

فطرت کائنات میں ایک مکمل مثال (Pattern) کی نموداری ہے۔ ایسی مثال جو عظیم بھی ہے اور جمالی (Aesthetics) بھی اس کی عظمت ہمیں مرعوب کرتی ہے۔ اس کا جمال ہم میں محویت پیدا کرتا ہے۔ پھر کیا ہم فرض کر لیں کہ فطرت کی یہ نمود بغیر کسی مدرک (Intelligent) قوت کے کام کر رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ فرض کر لیں مگر نہیں کر سکتے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایسا فرض کر لینا‘ ہماری دماغی خودکشی ہوگی۔‘‘ (’’غبارِ خاطر‘‘ ابوالکلام آزادؒ)

عمر فاروق ہارڈ ویئر اینڈ مل سٹور

عمارتی وصنعتی سامان، ہارڈ ویئر، پینٹس، ٹولز، بلڈنگ میٹریل
گورنمنٹ سے منظور شدہ کنڈے، باٹ وپیمانہ جات

صدر بازار، ڈیرہ غازی خان فون: 0641-462483

قاری فیوض الرحمٰن

غازی عبدالقیوم شہید رحمتہ اللہ علیہ

اللہ کے رسول ﷺ کی محبت عین ایمان ہے مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی شانِ اقدس میں ادنیٰ سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ آج تک جس شخص نے بھی ادنیٰ گستاخی کی، اسے انہوں نے معاف نہیں کیا اور اس شخص کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی چھوڑا۔ لاہور کے ایک ہندو راجپال نے ایک گستاخانہ کتاب ''رنگیلا رسول'' لکھی تو اس وقت لاہور ہی کا ایک غیرت مند نوجوان غازی علم الدین آگے بڑھا اور اس ہندو کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھا دیا۔ راجپال کو قتل کرنے کے ''جرم'' میں اس عاشق رسول ﷺ کو عدالت عالیہ سے سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ اُس نے اللہ کے رسول ﷺ کی عزت و حرمت پر جان دے کر ابدی زندگی حاصل کر لی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

غازی علم الدین شہیدؒ کی محبت اور زبانوں پر اس مردِ مجاہد کے تذکرے ہیں لیکن غازی عبدالقیوم کا کارنامہ عوام و خواص کی نظروں سے اوجھل ہے، ان کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ آج کی اس نشست میں ہم ''غازی عبدالقیوم شہیدؒ'' کا تذکرہ کرتے ہیں۔

نام: عبدالقیوم خان
والد کا نام: عبداللہ خان
قوم: پٹھان
ساکن: غازی، ضلع ہزارہ
تاریخ پیدائش: 1911-12

ابتدائی زندگی و تعلیم

غازی عبدالقیوم خان کو بچپن ہی سے مذہبی تعلیم کا شوق تھا۔ چھٹی جماعت پاس کر کے گاؤں کے علمائے کرام سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اکثر قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے رہتے۔ سکول چھوڑ کر قرآن مجید کی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے، صوم صلوٰۃ کی آخری وقت تک پوری پابندی کرتے رہے۔

1932ء میں ان کے والد عبداللہ خان انتقال کر گئے۔ ان کی چھ بہنیں تھیں۔ جو کہ اچھے گھرانوں میں بیاہی گئیں، ایک بھائی جو ان سے بڑے ہیں، ان کا نام ہمایوں خان ہے جو محکمہ امدادِ باہمی میں بحیثیت ہیڈ کلرک، سپرنٹنڈنٹ، ملازمت کر کے ریٹائر ہو چکے ہیں۔

جب ان کی عمر 21۔22 سال کی ہوئی تو ۱۹۳۴ء میں ان کی شادی کر دی گئی۔ شادی کے چند ماہ بعد ان کو کراچی جانے کا شوق پیدا ہوا، وجہ یہ تھی کہ ان کے حقیقی چچا رحمت اللہ خان وہاں پہلے سے مقیم تھے اور وکٹوریہ گاڑیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ چنانچہ یہ کراچی چلے گئے

اوراپنے چچا کے ہاں ٹھہرے، وہاں بھی ان کا زیادہ تر وقت صدر کی مسجد میں تلاوت قرآن، ذکراللہ اورنوافل وغیرہ میں گزرتا تھا۔ اسی دوران انہوں نے مسجد میں چسپاں ایک اشتہار پڑھا، واقعات پڑھ کران کو جوش آ گیا، دوسرے ہی دن بازار سے ایک چاقو خریدا اورنتھورام ہندو کی آئندہ پیشی کا انتظار کرنے لگے۔

نتھورام بدانجام کا حشر

’’روزگارِ فقیر‘‘ کے مؤلف فقیر سید وحیدالدین صاحب اس واقعہ کی پوری تفصیل ان الفاظ میں لکھتے ہیں: یہ 1933ء کے اوائل کا ذکر ہے، جب سندھ صوبہ بمبئی میں شامل تھا، ان دنوں آریہ سماج حیدرآباد (سندھ) کے سیکرٹری نتھورام نے ’’ہسٹری آف اسلام‘‘ کے نام کی ایک کتاب شائع کی، جس میں آقائے دوجہاں، سرکار دوعالم ﷺ کی شان اقدس میں سخت دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا گیا، مسلمانوں میں اس کتاب کی اشاعت کے سبب بڑا اضطراب پیدا ہوا، جس سے متاثر ہوکر انگریزی حکومت نے کتاب کو ضبط کیا اورنتھورام پر عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، جہاں اس پر معمولی سا جرمانہ ہوا اورایک سال قید کی سزا سنائی گئی۔ عدل وانصاف کی اس نرمی نے نتھورام کا حوصلہ بڑھا دیا اور اس نے وی ایم فیرس جوڈیشنل کمشنر کے یہاں ماتحت عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی۔ کمشنر کی عدالت نے اس گندہ دہن، شاتم رسول کی ضمانت منظور کرلی۔ اس سے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ بہت مضطرب اورفکرمند تھے کہ توہین رسول ﷺ کے اس فتنے کا سدِباب آخر کس طرح کیا جائے۔ ہزارے کا رہنے والا عبدالقیوم نام کا ایک نوجوان تھا جو کراچی میں وکٹوریہ گاڑی چلاتا تھا۔ جونا مارکیٹ کی کسی مسجد میں اس نے اس واقعہ کی تفصیل سنی اور یہ معلوم کرکے کہ ایک ہندو نے حضور سرورکائنات ﷺ کی توہین کی ہے، اس کے غم واضطراب اوراندوہ وملال کی کوئی حد نہ رہی۔ ستمبر 1934ء کا واقعہ ہے کہ مقدمہ اہانت رسول کے ملزم نتھورام کی اپیل کراچی کی عدالت میں سنی جارہی تھی، عدالت دوانگریز ججوں کے بنچ پر مشتمل تھی۔ عدالت کا کمرہ وکیلوں اورشہریوں سے بھرا ہوا تھا۔ غازی عبدالقیوم نہایت اطمینان کے ساتھ دوسرے تماشائیوں کے ساتھ وکلاء کی قطار کے پیچھے نتھورام کی برابر والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ عین مقدمے کی سماعت کے دوران وہ اپنا تیز دھار چاقو لے کر نتھورام پر ٹوٹ پڑا اوراس کی گردن پر دو بھرپور وار کیے۔ نتھورام چاقو کے زخم کھا کر زور سے چیخا اورزمین پر لڑکھڑا کر گر پڑا غازی عبدالقیوم نے پولیس کی گرفت سے بچنے اورفرار ہونے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کی۔ اس نے نہایت خوشی کے ساتھ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردیا۔ انگریز جج نے ڈائس سے اتر کراس سے پوچھا: تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا؟ غازی عبدالقیوم نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تصویر تمہارے بادشاہ کی ہے کیا تم اپنے بادشاہ کی توہین کرنے والے کو موت کے گھاٹ نہیں اتاردو گے؟ اس ہندو نے میرے آقا اورشہنشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے جسے میری غیرت برداشت نہیں کرسکی۔

غازی عبدالقیوم خان پر مقدمہ چلا۔ اس نے اقبالِ جرم کیا۔ آخرکار سیشن جج نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا۔ غازی عبدالقیوم نے فیصلہ سن کر کہا:

’’جج صاحب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا دی۔ یہ ایک جان کس گنتی میں ہے، اگر میرے پاس ایک لاکھ جانیں بھی ہوتیں، تو ناموس رسول ﷺ پر نچھاور کردیتا۔‘‘ اس فیصلے کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل دائر کردی گئی۔ دیندار مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ غازی عبدالقیوم کا قانونی دفاع کرنے کے لیے سامنے آ گیا۔ سید محمد اسلم بارایٹ لاء کو عبدالقیوم کی پیروی کی سعادت حاصل ہوئی، لیکن اس مردمجاہد (عبدالقیوم) نے پہلی ہی ملاقات میں اپنے قانونی مشیر پر واضح کردیا کہ میں نے ماتحت عدالت میں جو اقبالی بیان دیا ہے، اس کے خلاف کچھ کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہیں کروں گا۔ سید محمد اسلم نے مقدمے کی تیاری جاری رکھی اورشہادتوں کے سلسلے میں علامہ اقبالؒ

،مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا ظفر علی خاںؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے ملک کے ممتاز علماء کو بطور گواہ طلب کرانے کی درخواست کی تا کہ وہ اسلامی نقطۂ نظر واضح کر سکیں، لیکن عدالت نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ مقدمہ صفائی کی ساری بنیاد اس نکتے پر رکھی گئی تھی کہ: ''یہ ایک مسلمان کا ایمان و عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ناموس رسول ﷺ پر حملہ کرے، تو وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔''

اپیل کی سماعت جسٹس دادیبا مہتہ (Dadiba Mehta) اور نو ارکانِ جیوری کے سامنے شروع ہوئی۔ جیوری چھ انگریزوں، دو پارسیوں اور ایک گوانی عیسائی ممبر پر مشتمل تھی۔ عدالت کے باہر کم و بیش پچیس ہزار مسلمانوں کا ایک بڑا ہجوم فیصلے کا منتظر تھا۔ ایڈووکیٹ جنرل کے دلائل کے بعد غازی عبدالقیوم کے پیروکار سید محمد اسلم نے صفائی کا مؤقف پیش کیا۔ انہوں نے مقدمے کے بنیادی نکات اور اقدامِ قتل کے محرمات پر تین گھنٹے تک مدلل بحث کی۔ ان کی تقریر کے بعض حصّے اس قدر اہم تھے کہ انہیں قانون و انصاف کی تاریخ میں ہمیشہ زریں حروف میں لکھا جائے گا۔

انہوں نے ''اشتعال'' کے قانونی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش کیا: ''سوال یہ نہیں ہے کہ عبدالقیوم کا اقدام ملک کے قانون کے خلاف ہے۔ سوال یہ کہ عبدالقیوم نے یہ اقدام انتہائی اشتعال کے عالم میں کیا ہے، تو کیوں نہ اسے وہ کم سے کم سزا دی جائے جس کی اجازت دفعہ 302 کے تحت قانون نے دے رکھی ہے۔ اگر موجودہ قانون زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے یا کسی عورت کے معاملے میں قاتل کو ''اشتعال'' کی رعایت دیتا ہے تو رعایت کا یہ اصول عبدالقیوم کے مقدمے میں کیوں قابل قبول نہیں ہے۔ جب کہ ایک مسلمان کے لئے ناموسِ رسول ﷺ پر حملے سے زیادہ اور کوئی اشتعال انگیزی نہیں ہو سکتی۔'' وکیل کی تقریر کے دوران جج نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ کے اس اظہار خیال سے فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ نہیں ہوگا؟ سید محمد اسلم نے اس موقع پر جواب دیا: ''جناب والا! مسلمان، حکومت اور ہندو اکثریت کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے ہیں کہ ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت کیا حثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں مسلمانوں کے جذبات کیا ہیں، مگر ان دونوں نے ذرا توجہ نہیں دی۔ اب مجھے عدالت میں یہ واضح کرنے کا موقع مل رہا ہے کہ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، وہ ناموسِ رسول ﷺ کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور قوت کو ختم کر کے رہے گا۔ اس معاملے میں مسلمان کو تعزیراتِ ہند کی پروا ہے، نہ پھانسی کے پھندے کی۔'' غازی عبدالقیوم کے پیروکار سید محمد اسلم نے اقدامِ قتل کے لیے اشتعال کے مفہوم کی اہمیت پر جو قانونی نکتہ پیش کیا تھا، اگر وہ تسلیم کر لیا جاتا تو ناموسِ رسالت ﷺ پر حملہ کرنے کی مذموم تحریک ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی اور آئندہ کوئی اس جسارت کا تصور بھی نہ کر سکتا۔ لیکن عدالت عالیہ نے یہ اپیل خارج کر دی۔ غازی عبدالقیوم کے لئے سزائے موت بحال رہی۔ پُر جوش اور مضطرب مسلمانوں نے ایک وفد حکیم الامت علامہ محمد اقبال کی خدمت میں لاہور بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وفد جس میں مولوی ثناء اللہ، عبدالخالق اور حاجی عبدالعزیز شامل تھے، لاہور پہنچا اور میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مقدمے کی روداد تفصیل کے ساتھ سنائی۔ اس کے بعد عرض کیا کہ آپ وائسرائے سے ملاقات کریں۔ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لائیں اور انہیں اس پر آمادہ کریں کہ غازی عبدالقیوم کی سزائے موت، عمر قید میں بدل دی جائے۔ وفد نے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ نے سعی و توجہ فرمائی، تو پوری توقع ہے کہ غازی عبدالقیوم کی جانب سے رحم کی اپیل، حکومت ہند ضرور منظور کر لے گی۔''

رحم کی اپیل پر علامہ اقبال کا جواب

علامہ، وفد کی یہ گفتگو سن کر دس بارہ منٹ تک بالکل خاموش رہے اور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وفد کے ارکان منتظر اور مضطرب تھے کہ دیکھیے علامہ کیا فرماتے ہیں۔ توقع یہی تھی کہ جواب اثبات میں ملے گا کہ ایک عاشق رسول ﷺ کا معاملہ دوسرے عاشق رسول

ﷺ کے سامنے پیش ہے۔ اس سکوت کو پھر علامہ اقبال ہی کی آواز نے توڑا۔ انہوں نے فرمایا: ’’کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟‘‘ ارکانِ وفد نے کہا: ’’نہیں اس نے ہر عدالت میں اپنے اقدام کا اقبال اور اعتراف کیا ہے۔ اس نے نہ تو بیان تبدیل کیا اور نہ لاگ لپیٹ اور اینچ پینچ کی کوئی بات کہی۔ وہ تو کھلے خزانے کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے۔ مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو۔‘‘ وفد کی اس گفتگو کو سن کر علامہ کا چہرہ تمتما گیا انہوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا: ’’جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے، تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں، جو زندہ رہا تو غازی ہے اور گیا تو شہید ہے۔‘‘ علامہ کے لہجے میں اس قدر تیزی تھی کہ وفد کے ارکان اس سلسلے میں پھر کچھ اور کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ وفد کراچی واپس ہو گیا۔

غازی عبدالقیوم کو جس دن پھانسی دی گئی۔ کراچی کی تاریخ میں وہ دن مسلمانوں کے جوش و اضطراب کا یادگار دن تھا۔ دلوں میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ کاش، یہ شہادت ہمیں میسر آتی۔

لاہور میں غازی علم الدین اور کراچی میں غازی عبدالقیوم کے ان واقعات کا علامہ اقبال نے بہت زیادہ اثر قبول کیا تھا اور اپنے اس قلبی تاثر کو تین شعروں میں بیان فرما دیا۔ یہ اشعار ’’لاہور اور کراچی‘‘ کے عنوان سے ’’ضربِ کلیم‘‘ میں شائع ہو چکے ہیں مگر غازی عبدالقیوم کے لئے رحم کی درخواست کے اس واقعہ کی روشنی میں ان اشعار کا مفہوم کچھ اور زیادہ ابھرتا ہے:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور　　موت کیا شے ہے؟ فقط عالمِ معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ　　قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ! اے مردِ مسلماں تجھے کیا یاد نہیں　　حرفِ لا تدع مع اللہ الٰھا آخر

لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے وقتِ جنازہ جلوس نکالے۔ لاکھوں نے ان کے نمازِ جنازہ میں شرکت کی، ناموسِ رسول ﷺ پر اپنی جان نچھاور کرنے والے اس شہید کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ میوہ شاہ کے علاقہ قبرستان میں ایک خاص چار دیواری کے اندر دفن کیا گیا ؎

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

غازی عبدالقیوم کا خاندان

ان کے بڑے بھائی کے لڑکے محمد سعید واہ فیکٹری میں ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ غازی عبدالقیوم کے ایک بھانجے پاکستان آرمی میں میجر ہیں جبکہ ایک دوسرے بھانجے لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر حق نواز خان حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں اور اب غازی میں پریکٹس کرتے ہیں، ماشاءاللہ بڑے دین دار، صوم صلوٰۃ کے پابند اور متشرع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے طفیل ہمارے اوپر بھی رحم فرمائے، ہمیں بھی غازی عبدالقیوم خان شہیدؒ کی طرح ناموسِ رسالت ﷺ پر مر مٹنے والا بنائے۔ ’’آمین یا الٰہ العالمین‘‘

☆☆☆

مولانا محمد مغیرہ

مرزا قادیانی کا دعویٰ مہدویت

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی میں سے ایک دعویٰ مہدی ہونے کا ہے ان کا خیال بلکہ اصرار ہے کہ وہ مہدی ہیں جبکہ ایک عرصہ تک وہ یہ لکھتے رہے کہ محققین کے نزدیک مہدی کا آنا کوئی یقینی امر نہیں۔ ایک جگہ لکھا کہ تمام حدیثیں جو مہدی کے آنے کے بارے میں ہیں ہرگز قابلِ وثوق اور قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

اتفاقاً یہ کہ 1894ء میں رمضان المبارک میں سورج گرھن اور چاند گرھن ہوا (جس کی تاریخیں مرزا جی نے خود یوں لکھی ہیں۔ چاند گرھن تیرہ رمضان کو ہوا' سورج گرھن اٹھائیس رمضان کو ہوا) مرزا جی نے رمضان المبارک کے مہینہ میں سورج گرھن اور چاند گرھن کے اجتماع کو غنیمت جانا اور اسی پر اپنی مہدویت کی عمارت کو کھڑی کرنے کی ٹھانی کہ رمضان المبارک میں سورج اور چاند گرہن کا ہونا میرے مہدی ہونے کی دلیل ہیں۔ اور اس پر ایک روایت دار قطنی سے اپنے تمام تر مغالطّوں سے لبریز کر کے پیش کر دی۔ ترجمہ اپنی مرضی کا' مفہوم اپنی مرضی کا' اس روایت سے ایسے مغالطے ظاہر کئے کہ الامان والحفیظ۔

کہتے ہیں سکول کے بچوں نے پروگرام طے کیا کہ آج جب ماسٹر صاحب کلاس میں پہنچیں تو ہر ایک لڑکا مصافحہ کرے اور ان سے کہے کہ آپ کو تو سخت بخار ہے۔ سو ایسے ہی ہوا۔ جب ماسٹر صاحب کلاس میں وارد ہوئے' ایک لڑکا آتا مصافحہ کرتا ساتھ یہ کہتا کہ ماسٹر جی آپ کو تو سخت بخار ہے' جسم سخت گرم ہے چہرہ بخار کی شدت کی وجہ سے سرخ ہو رہا ہے۔ دو چار لڑکوں کو ماسٹر جی نے کہا کہ بھائی مجھے بخار نہیں ہے' مگر جب پوری کلاس نے باری باری یہی کہا تو ماسٹر جی کو ماننا پڑا' اور خیال ہوا کہ شاید بخار ہو' مگر اسی خیال میں ہی ماسٹر جی کو بخار ہو گیا اور وہ کلاس میں چھٹی کر کے گھر چلے گئے۔

مرزا جی کا اپنی مہدویت پر دار قطنی کی روایت پیش کرنا کچھ ایسا ہی ہے' روایت کے الفاظ عربی میں لفظ بلفظ پڑھیں اور خود ترجمہ کریں اور روایت کے الفاظ' اور اس کے ترجمہ پر نظر ڈال کر توجہ کریں کہ کیا یہ روایت مرزا جی کے دعویٰ مہدویت پر دلیل بنتی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان لمهدينا آيتين لم تكون منذخلق السمٰوٰت والارض تنكسف القمر لاوّل ليلة من رمضان وتنكسف الشمس فی النصف منه ولم تكونا منذخلق السمٰوٰت االارض . (دار قطنی کتاب العیدین باب صفۃ الخسوف والکسوف)

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت میں' روایت کرنے والے عمرو بن شمر اور جابر جعفی جھوٹے راوی ہیں۔ عمرو بن شمر کو دراقطنی اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے ابن حبان نے اس کو غالی اور رافضی کہا ہے امام بخاری نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے' جبکہ جابر جعفی کے بارے امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اس جیسا جھوٹا کوئی نہیں دیکھا گیا جبکہ امام نسائی نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

اس لئے اس روایت کو صحیح کہنا ہی سرے سے درست نہیں چہ جائیکہ اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا جائے یا مانا جائے۔ مگر ہم فنی بحث سے قطع نظر مرزا جی کی بات مان لیتے ہیں کہ ان کے بقول یہ روایت اپنی سچائی خود بیان کر رہی ہے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ

مرزا قادیانی کو یہی روایت جھوٹا بھی قرار دے رہی ہے۔ کیونکہ اس روایت کا مدعیٰ یہ ہے کہ مہدی کے دو نشان ہیں' چاند کو رمضان کی پہلی رات میں جبکہ سورج کو نصف رمضان یعنی پندرہ رمضان کو گرہن لگے مگر مرزا قادیانی کے زمانہ میں تو چاند کو رمضان کی تیرہویں اور سورج اٹھائیسویں رمضان کو گرہن ہوا۔ تو یہ روایت کیونکر مرزا قادیانی کے مہدی ہونے پر دلیل ہوسکتی ہے۔ پھر مغالطہ دہی کی انتہا ہے کہ خود ہی روایت پیش کی جس میں رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن جبکہ نصف رمضان یعنی پندرہ رمضان کو سورج گرھن لگنے کو مہدی کی علامت بیان کیا گیا ہے۔ مگر خود ہی کہنے لگے کہ چاند کی پہلی تین راتوں کو قمر نہیں کہتے بلکہ ہلال کہتے ہیں۔ اس بات کا مقصد صرف یہ ہے کہ مغالطہ دے کر اس کی نظر **تنکسف القمر لاول لیلة من رمضان** سے ہٹائی جائے کہ چاند کی پہلی رات کو قمر کی پہلی رات نہیں کہا جاسکتا' لیکن اس حیلہ سے بھی یہ روایت ان کی دلیل اس لئے نہیں بن سکتی کہ اگر چاند کی پہلی تین راتوں کو قمر کی راتیں نہیں کہا جاسکتا تو پھر یقیناً چوتھی رات کو تو قمر کی پہلی رات کہا جائے گا مگر اس طرح بھی تیرہویں تاریخ نہیں ہوسکتی کہ **تنکسف القمر لاول لیلة** میں **لاول لیلة** کا ترجمہ تیرہویں رات نہیں کہا جاسکتا پھر اس روایت کو اپنی دلیل بنانے کے لئے ایک اور مغالطہ دیا کہ **تنکسف القمر لاول لیلة** سے مراد چاند گرہن کی مقررہ تاریخوں میں اول رات مراد ہے جبکہ **تنکسف الشمس فی النصف منه** سے مراد سورج گرہن کے مقررہ دنوں میں درمیان کا دن مراد ہے لیکن اس مغالطہ کو روایت کے الفاظ **لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت والارض** خود رد کر رہے ہیں کہ یہ نشان صرف مہدی کے نشان بن کر ظہور پذیر ہوں گی جبکہ چاند گرہن کی تیرہویں چودھویں' پندرھویں تاریخیں چاند گرہن کے لئے مقرر ہیں اور ستائیس اٹھائیس انتیس تاریخ سورج گرہن کے لیے مقرر ہیں کہ چاند گرہن اور سورج گرہن ہمیشہ انہی تاریخوں میں ہوتا رہا ہے۔ اس مغالطہ کے سامنے روایت کے الفاظ خود سد سکندری بن کے کھڑے ہیں۔ اس لئے روایت کسی طرح بھی مرزا قادیانی کے دعویٰ مہدویت پر عقلاً ونقلاً دلیل نہیں بن سکتی۔ کیا ہے کوئی صاحبِ عقل قادیانی جو میدان میں آ کر مرزا کی پیروی میں دارقطنی کی اس روایت کو مرزا قادیانی کے دعویٰ کے مطابق پیش کر سکے۔ مگر کہاں کہ آنکھوں میں دھول کب تک ڈالی جاتی رہے گی۔

امتِ محمد یہ لاوارث نہیں ہے اس امت کا ہر معاملہ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے' یا عمل سے اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکامات کا پابند ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے اللہ سے علم پا کر پیش گوئی فرمائی کہ میری امت میں مہدی آئے گا اور پھر اس کی علامات بیان فرمائیں (چیدہ چیدہ یہ ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا آنے والے مہدی کا نام میرے نام جیسا یعنی ''محمد'' ہوگا' آنے والے مہدی کے باپ کا نام میرے باپ جیسا یعنی ''عبداللہ'' ہوگا' آنے والے مہدی کی والدہ کا نام میری ماں جیسا یعنی ''آمنہ'' ہوگا' خاندانی اعتبار سے ہاشمی ہوگا' حضور ﷺ کی آل ''بنی فاطمہ'' سے ہوگا' پیدائش مدینہ میں جبکہ طواف کرتے ہوئے رکن یمانی میں پہنچایا جائے گا' پھر اس کی بیعت کی جائے گی انہیں کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ کیا یہ علامات مرزا قادیانی میں موجود ہیں؟ ان کا نام مرزا غلام احمد قادیانی والد کا نام غلام مرتضیٰ جبکہ والدہ کا نام چراغ بی بی عرف گھیسٹی تھا' قادیان میں پیدا ہوا' لاہور میں ہیضہ کی مرض سے بیت الخلا میں مرا' قادیان میں دفن کیا گیا، ساری زندگی بیت اللہ حاضری کا اتفاق ہی نہیں ہوا مغل خاندان سے تعلق تھا' کہاں آنے والے مہدی کی علامات، کہاں مرزا قادیانی۔

خیر النساء بہتر
(والدہ ماجدہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

بچیوں سے باتیں

اپنے چچا ماموں‘ خالہ اور پھوپھی کی عزت کرو‘ اگر پاس ہوں تو ہر وقت خبر لیتی رہو‘ اگر دُور ہوں تو جا کر بہت اخلاق سے ملو‘ اگر تم سے عمر سے چھوٹے ہوں اور رشتے میں بڑے‘ جب بھی اُن کا ادب کرو‘ جو کچھ کہیں خوشی سے منظور کرو‘ اگر چہ ناگوار ہو‘ ایسے رشتوں کی بہنوں کو حقیقی بہن سمجھو‘ ان سے محبت کرو‘ ان کو کبھی کبھی اپنے گھر میں بُلا کر ان کی خاطر کرتی رہو۔ جو چیز تمہارے گھر میں ہو‘ ان کو بھیجتی رہو۔ دعوت وغیرہ میں ان کو سب سے پہلے بُلاؤ‘ انہیں اپنی رائے میں شریک رکھو خالہ‘ پھوپھی وغیرہ کو کوئی بے ادبی کی بات نہ کہو‘ اس کا لحاظ رہے کہ انہیں سُنانا گویا ماں باپ کو سُنانا ہے۔ اگر انہیں قرض دو تو بھُولے سے بھی تقاضہ نہ کرو‘ نہ دل لگا رکھو کہ تکلیف ہو۔ اگر غریب ہوں تو چھپ چھپ کے مدد کرتی رہو‘ کبھی نہ یاد کرو کہ ہم نے یہ کیا ہے‘ وہ کیا ہے۔ اگر وہ کچھ کرنا چاہیں اور اتنی وسعت نہیں رکھتیں اور کرنا ضروری ہے تو اگر تم اتنا مقدور رکھتی ہو تو تم کر گزرو‘ لیکن کسی پر ظاہر نہ کرو کہ وہ شرمندہ ہوں‘ بشرطیکہ تمھارے شوہر اور سُسرال والوں کے خلاف نہ ہو‘ اُن کی عزت اپنے ماں باپ کی عزت سمجھو۔ لڑکیوں میں آج کل یہ پابندی اور اخلاق‘ مَیں نہیں دیکھتی ۔ اگر کچھ روز یہی حالت اور رہی‘ تو اولاد یہ بھی نہ سمجھے گی کہ ہمارے رشتہ داروں میں کوئی اور بھی ہے یا نہیں‘ اگر تمہیں کرتے دیکھیں گی‘ تو ان کی بھی ہمّت ہوگی۔

شوہر کے حقوق (خدمت)

جس کے ساتھ تمہاری شادی ہوا گر وہ مفلس ہو تو تونگر سمجھو‘ اس کی عزت کرو‘ جو کہیں اس کے خلاف نہ کرو‘ بغیر اجازت کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤ‘ اُن کی خوشی اپنی خوشی پر مقدم رکھو‘ ہر وقت اُن کے آرام کی فکر رکھو‘ جو کچھ تمہیں دیں‘ خوش ہو کے لے لو‘ اور جس کام کو کہیں ایسی خوبی کے ساتھ کرو کہ وہ خوش ہو جائیں۔ انہیں اس قدر آرام دو کہ وہ بے فکر ہو جائیں اور انہیں اپنی قلیل آمدنی سے تکلیف نہ ہو‘ زندہ دل ہو کر رہیں‘ اپنے ہم نشینوں میں عزت پائیں، ان کی ضرورت اپنی ضرورت سے پہلے پوری کرو‘ انہیں جہاں تک ممکن ہو اچھا کھلاؤ، کپڑے ان کی مفلسی کے دور میں خود سی کر پہناؤ، ان کے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہو کسی پر نہ ڈالو‘ چائے‘ ناشتہ وقت سے پہلے تیار رکھو‘ کوئی بات فکر کی اُن سے نہ کہو‘ فرمائش نہ کرو‘ اگر وہ نہ کر سکیں گے تو ملال ہوگا۔ تمہاری قسمت میں ہے تو ضرور ملے گا‘ فرمائش بے کار ہے‘ جو ضرورت ہو حتی المقدور تمہیں پوری کیا کرو‘ مردوں کو تکلیف نہ دو‘ بعضے متحمل مزاج نہیں ہوتے‘ انہیں سخت تکلیف ہوگی۔

☆☆☆

سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ (ایک تأثر)

حج بیت اللہ کو یاد کر کے..........!

تمناؤں کا مرکز اک سفینہ   سمندر کا تموّج قہرمانی
وہ ساحل کا سکوں اس کی متانت   وہ صحرا میں تپش کی حکمرانی
وہ میقاتِ یَلَملَم اور احرام   وہ لبیک و درود و رجز خوانی
وہ بن کھیتی کا خطہ ارضِ بکّہ   وہ کعبہ کی جلال آگیں نشانی
خوشا دیوانگی در طوفِ کعبہ   زہے بو سیدنِ سنگِ جنانی
حطیم و بابِ کعبہ پر دعائیں   وہ فیضِ عام اور رکن یمانی
وہ جَدوَل نور کی میزاب رحمت   سوادِ کعبہ کی وہ ضو فشانی
وہ رونا اور لپٹنا ملتزم سے   وہ شوقِ وصلِ حسن لامکانی
گلوگیری وہ آوازوں میں رقّت   ندامت اور اشکوں کی روانی
وہ لرزاں ہاتھ اور دامن کسی کا   وہ ترساں چہرے اور آنکھوں میں پانی
مصلّائے براھیمی میں سجدے   مبارک اقتدارِ نیک بانی
وہ روحوں کی پیاس اور سوز باطن   وہ زمزم اس کی وہ فیضاں رسانی
ازل کے عہد کی تجدیدِ دائم   بہ بیں موجِ بقا در بحرِ فانی
صفا مروہ پہ مجنونانہ گردش   وہ حیرانی میں ذوقِ کامرانی
شعب اور بوقبیس و دارِ ارقم   یہاں پوشیدہ ہے حق کی کہانی
وہ عرفات و منیٰ و مظہرِ عشق   وہ مزدلفہ کی شبِ زرّیں سہانی
وہ خیف و نمرہ میں عجز و تعبّد   وہ مشعر میں وقوفِ بے مکانی
وہ ظہر و عصر کی تکبیر یکجا   وہ مغرب اور عشاء کی ہمعنانی
رقیب رو سیہ کی نامرادی   وہ رمی جمرہ وجہِ شادمانی

غلامی اور آقائی کے منظر
وہ باقی اور یہ مخلوق فانی

سید کاشف گیلانی

چاٹتے ہیں گردِ رہ......

اے حبیب کبریا اے سید والاتبار
دامن ناموس اُمت ہوچکا ہے تار تار
منہ کے بل ایسے گرے، گرتے ہیں جیسے بے خبر
چاٹتے ہیں گردِ رہ علم و ہنر کے شہسوار
ایک لمحہ کے لیے راحت نہیں جاں کو نصیب
دل بھی ہے نالہ کناں اور چشم بھی ہے اشک بار
دندناتے پھر رہے ہیں دہر میں اہل ستم
رو رہی ہیں بیٹیاں بہنیں ہماری زار زار
آپ اگر ہم سے خفا ہوجائیں گے اے شاہِ دیں
ہم سے راضی ہو سکے گا کس طرح پروردگار
کیسے کیسے خوب رو کشمیر میں کام آگئے
بے وطن اہل فلسطیں ہوگئے ہیں بے شمار
دشمنوں نے گھیر رکھی ہے وطن کی سرزمیں
کب مگر بدلا ہے میری قوم نے اپنا شعار
اُن کو کیسے خیر ملک و ملت مان لوں
رہے ہیں جو عدوئے ملک و ملت سے قرار
چھوڑ کر اسلاف کی رہ قافلہ گم ہوگیا
ورنہ کاشفؔ دو قدم پر تھا گلستانِ بہار

ڈاکٹر عتبان محمد چوہان

غزل

رستے کا اشارہ ہے کہ منزل کا دلاسا
ہے بام فلک پر بھی دھرا ایک دیا سا
دستورِ شناسائی وہ سمجھے تھے مجھی سے
اب خود کو بتاتے نہیں میرا ہی شناسا
میں ہوں کہ کھٹکتا ہوں زمانے کی نظر میں
پاتا ہے مرا قلب اگر چین ذرا سا
پھیلی نہ اُفق پر ہو اُسی زخم کی سرخی
سینے میں جو میرے تھا نہاں نیم سلا سا
اپنائی اسی شخص نے اغماض کی عادت
ہر لحظہ جو رہتا تھا مری دید کا پیاسا
اتنا بھی کوئی دور نہ ہوجائے کسی سے
اب ذہن میں آتا نہیں وہ نام بھلا سا
تو ہی نہ سنے گا تو کسے حال سنائیں
اب شہر میں ملتا ہی نہیں کوئی شناسا
عتبانؔ سے ملنے کہیں جانا نہیں پڑتا
رہتا ہے میرے ساتھ وہ لگتا ہے جدا سا

☆☆☆

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

مردہ بیٹی، پاگل بابا

(ندیم اجمل عدیم کی پنجابی نظم کا ترجمہ)

کل شام
اک ہسپتال میں
باپ اپنی بیٹی لے کر
خالی جیب اور ننگے پاؤں
زاروزار روتا تھا
اُس کی دُکھی بیٹی کو
دوا دینے والا ڈاکٹر
دوا دینے کی بجائے
باپ کی پھٹی جیب کو
کانوں والی ٹونٹی لگا کر
آنکھیں ماتھے پر رکھ کر
کہتا ہے
بابا! اپنی بچی لے کر
کوٹھی نمبر بارہ آنا
پرائی ویٹ چیک کرانا
کوٹھی نمبر بارہ جا کر
باپ کی جیب کو خالی پا کر
بھولی بھالی بیٹی نے
سارا کام تمام کیا ہے
سانس، خدا کے نام کیا ہے
دیکھو لوگو! دیکھو لوگو!
مردہ بیٹی
پاگل بابا
داڑھیں مارتا
کہتا ہے
بیٹی! اِدھر کبھی نہ آنا
نہ ہی اور کسی کو لانا
کوٹھی نمبر بارہ والے
ڈاکٹر بندے مارتے ہیں
کانوں والی
ٹونٹی لگا کر
پھٹی پرانی
ہماری جیبیں...... کھنگالتے ہیں
بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں
اب اِدھر کبھی نہ آنا
سارے لوگ روتے ہیں

☆☆☆

☆ کوٹھی نمبر بارہ، فرضی نمبر ہے۔ وزن پورا کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

عینک فریمی

زبان میری ہے بات اُن کی

☆ پاکستان نیوکلیئر ریگولیٹری اتھارٹی میں ملازمت کے مواقع (ایک اشتہار)

دوسرے لفظوں میں گرفتار ہونے کے بہترین مواقع

☆ سینٹ میں ارکان کو بٹھائے رکھنے کے لئے اذان رکوادی، ایم ایم اے کا شدید احتجاج۔ (ایک خبر)

’’ویسے ہم علماء سے بہتر مسلمان ہیں!‘‘

☆ حکومت کی طرف سے نو پاکستانی ایٹمی سائنسدان گرفتار، ڈاکٹر قدیر خان بھی زیر تفتیش (ایک خبر)

اب سائنسداں ہوا کرے کوئی

☆ ملتان میں خواتین آرٹسٹ، پہلی بار، میں ہی سٹیج پر لایا۔ (ایس قمر زیدی)

لعنت بے شمار............ بکار سرکار!

☆ مشرف پر اعتماد ہے۔ ہم اُن کے ساتھ ہیں۔۔ (امریکہ)

حملہ، امریکہ کا ساتھ دینے کی وجہ سے ہوا۔ (عمران خان)

☆ سارک ممالک کے سربراہوں کی میز پر پھول مرجھا گئے۔ (ایک خبر)

کانٹے ہرے رہے۔

☆ نئے سوال آئے ہیں۔ نئے جواب مانگے گئے ہیں۔ (واجپائی)

اِسے لفظوں کی دجل و تلبیس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

☆ دل کی سوچیں تبدیل کر کے، شراب چھوڑ دی ہے۔ (بُش)

مسلمانوں کا خون پینا شروع کر دیا۔

☆ معیشت مستحکم ہوگئی ہے۔ (پرویز مشرف)

اور غریبوں کی ماں مرگئی ہے۔

☆ قاسم ضیاء کی بھانجی کی منصور لغاری کے بیٹے سے شادی۔ چودھری شجاعت حسین نے بھی شرکت کی۔ (ایک خبر)

اندر سے سب ایک ہیں۔

☆ عورت سے ڈرنے والے چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھ جائیں، مُکّے دکھانے والے جرنیل نے طیارہ ہائی جیک کروا کر بتا دیا کہ وہ کتنا بہادر ہے۔ (تہمینہ دولتانہ)

بلا تبصرہ!

حرفِ تحسین

(مکتوب مولانا مجاہد الحسینی مدظلہ)

عزیزمن سید محمد کفیل شاہ بخاری سلّمہٗ ربّہ (مدیر اعلیٰ مجلّہ ''نقیبِ ختم نبوت'' ملتان)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کا مجلّہ ماہ ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ وصول کر کے مسرت ہوئی۔ ایک دینی رسالے کی کتابت سے طباعت اور ترتیب تک جس سلیقے اور اعلیٰ صلاحیت سے کام لیا گیا ہے' لائق تحسین ہے۔ نیز معلومات افزاء مضامین کا انتخاب اور تنوع دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ سجایا گیا ہو۔ جبکہ ہمارے دینی جرائد ورسائل طباعت واشاعت کی جدید سہولتوں کے باوجود ہنوز اپنی قدیم اور غیر مؤثر روش کے راہی ہیں۔ اس سلسلے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ دینی صحافت سے وابستہ اہل قلم نے کبھی باہمد گر مشاورت اور رابطے کی کوشش نہیں کی۔ ان کی تخلیقات اور تصانیف کی تحسین اور ان سے استفادے کا معاملہ تو بعید از قیاس ہے۔ ان سب امور کا براہِ راست تعلق وحدتِ فکر وعمل کے ساتھ ہے۔ ہم عقیدہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں وحدتِ فکر وعمل کا مستحکم رشتہ بھی استوار ہے۔

اس کے برعکس مادی منفعت کی خاطر اشاعت پذیر جرائد ورسائل کی باقاعدہ تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ وہ اپنے مسائل حل کرانے کی خاطر اجتماعیت اور وحدت عمل کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے معاشرے میں ان کی پذیرائی ہے اور ہمارے یہ دینی رسائل اوّل تو اپنے اپنے مدارس کے ترجمان ہیں اور ہر اہل مدرسہ یہ من جانب اللہ فریضہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنا رسالہ ضرور شائع کرے خواہ ان مجلّات ورسائل کا دائرہ اہل مدرسہ تک یا چند علمی شخصیات تک کیوں نہ محدود ہو۔ مجھے جب بھی دینی ومذہبی جماعتوں کے باہمد گر اتحاد کے بجائے ادغام کی تجویز پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس کے جواب میں یہی فرمایا گیا ہے کہ تجویز کی حد تک یہ بات موجب خیر وبرکت ہے۔ لیکن...... اب آپ ہی بتایئے کہ جمعیت علماء اسلام کے ف، س، ق گروپوں میں فکری ونظری کیا اختلاف ہے؟ یا دیوبندی مکتب خیال کے پانچ چھے دھڑوں میں کیا وجہ تقسیم ہے؟ حتیٰ کہ ختم نبوت کے مقدس نام سے بھی کئی تنظیمیں ہیں' بہرنوع بات ہو رہی تھی۔ دینی مجلّات کی اگر اس شعبے سے متعلق حضرات' سال بھر میں ایک مشاورتی اجلاس ہی منعقد کر لیں تو مشاورت کے بعد یقیناً کوئی اچھی صورت نمودار ہو سکتی ہے۔

آپ کے تازہ شمارے میں محترم جناب محمد رفیق تارڑ، آغا شورش کاشمیریؒ اور سید یونس الحسنی کے مضامین فکر انگریز اور علم وادب کے شہکار ہیں۔ ان حضرات کے مضامین سے ''نقیبِ ختم نبوت'' کے صفحات ضرور مزین کرتے رہیے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کا عکس تحریر نوادرات میں سے ہے۔

نوٹ: مولانا سید محبّ اللہ راشدیؒ کے مضمون ص 10 کی آخری سطور میں مندرجہ حدیث شریف کے ابتدائی کلمات میں ان رجلاً کے آگے قال کا لفظ رہ گیا ہے یا کوئی اور لفظ ہے۔ بہرصورت حدیث شریف کے صحیح الفاظ مبارک درج ہونے چاہئیں۔

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

مجلّہ: الھدیٰ (جنوری 2004ء) مدیر: ثناء اللہ سعد شجاع آبادی (تبصرہ: ابوالادیب)

قیمت: 12 روپے، سالانہ 120 روپے طابع: خلافت راشدہ اکیڈمی خیر پور سندھ

’’الھدیٰ‘‘ کا پہلا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ خوبصورت رنگین ٹائٹل کے ساتھ، پُر مغز مضامین کا مجموعہ جس میں سید نفیس الحسینی کی نعت ؂

دنیا سیپ ' محمد موتی صلّی اللہ علیہ وسلّم
اُس بِن دنیا کیسی ہوتی صلّی اللہ علیہ وسلّم

کہ ساتھ ساتھ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، سید ابوالحسن علی ندویؒ، سید نورالحسن بخاریؒ، مفتی محمد انور، علامہ علی شیر حیدری، مولانا زاہدالراشدی، جاوید چودھری اور حامد میر کی تحریریں شامل ہیں۔ بے حیائی اور بے دینی کے اس دورِ پُرفتن میں ایک اور دینی پرچے کا اجراء صحافتی دنیا کے لئے بے شک ایک حوصلہ افزا بات ہے۔

کتاب: رسائل ثلاثہ مترجم: مولانا قاری قیام الدین الحسینی

ضخامت: 330 صفحات ناشر: الطاف اینڈ سنز پی او بکس نمبر 5882 کراچی

زیرِ نظر کتاب میں، مترجم نے سیدنا مہدی علیہ الرحمۃ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عربی میں لکھے گئے، علاّمہ جلال الدین سیوطی اور علامہ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہما کے تین رسائل کا ترجمہ کیا ہے۔ جس میں حضرت مہدی علیہ الرحمۃ کے نام و نسب، شاندار کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے، علاوہ ازیں کے نزول وحالات اور نزول کے بعد شریعت محمدیہ کے مطابق، آپ کے فیصلوں کا تذکرہ شامل ہے۔ کتاب، متعلقہ روایات و معلومات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

جریدہ: ’’القاسم‘‘ (اشاعت خاص بیاد مولانا سید سلیمان ندویؒ)

تالیف: حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی ضخامت: 451 صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد۔ نوشہرہ صوبہ سرحد

مولانا عبدالقیوم حقانی بے شک مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مسلسل پانچ کامیاب خصوصی اشاعتوں کے بعد چھٹی اشاعت خاص ’’سید سلیمان ندویؒ‘‘ نمبر شائع کی ہے۔ جس میں ثقہ مصنفین: سید مصباح الدین عبدالرحمٰن، سید ابوالحسن علی ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، عبدالرشید عراقی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر غلام محمد، ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی کی تحریریں شامل ہیں۔ ان مضامین میں سید سلیمان ندویؒ کی پُرعزم و بلند مرتبہ زندگی کے حالات و واقعات کے حوالہ سے انتہائی

مفید اور اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ حقانی صاحب نے سید سلیمان ندویؒ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں اور روشن ابواب کا تذکرہ مرتّب کر کے متلاشیانِ حق کے لئے ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے جو بلاشبہ قابلِ تعریف ہے۔

کتاب: تاریخ وتذکرہ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ (مؤلف: محمد نذیر رانجھا)

صفحات: 558 قیمت: 250 روپے ناشر: جمعیت پبلی کیشنز، متصل مسجد پائلٹ ہائی سکول، وحدت روڈ۔ لاہور

برصغیر پاک وہند میں اسلام کی ترویج واشاعت میں جہاں علمائے کرام کی محنت کا دخل ہے' وہاں اس کارِ سعید میں بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کا بھی بہت بڑا حصّہ ہے۔ اس زمین کے وجود پر خانقاہیں' امن وسکون کا گہوارہ رہی ہیں۔ جہاں زمانے کے مصائب کا مارا ہوا انسان آ کر سکون واطمینان حاصل کرتا۔ بزرگانِ دین اپنے فیضانِ نظر سے دلوں کو صیقل کرتے اور مخلوقِ خدا کے کردار کو اُجالتے۔

خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی' اُنہی خانقاہوں میں سے ایک ہے' جہاں لوگ آتے اور فیض یاب ہو کر جاتے ہیں۔ جناب محمد نذیر رانجھا نے کمالِ تحقیق سے اس خانقاہ کا تذکرہ مرتّب کیا ہے۔ جس میں خانقاہ سراجیہ کے اہم بزرگوں خصوصاً حضرت مولانا احمد خان قدس سرہٗ، حضرت مولانا محمد عبداللہ نوراللہ مرقدہٗ اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد دامت برکاتہم کے تذکار وافکار کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان اکابر کے ممدوح علماء کے تذکرے، خانقاہ میں اُن کی آمد اور دلچسپ واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔ کتاب کی تدوین وترتیب' مرتب کے خوبصورت ذہن کی عکاسی کرتی ہے۔ جمعیت پبلی کیشنز کے جناب حافظ ریاض درانی نے طباعت و اشاعت کا حق ادا کیا ہے۔

چناب نگر کے زمیندار چودھری شیر علی نے مولانا محمد مغیرہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا

چناب نگر (14 / جنوری) چناب نگر کے نواحی علاقہ موضع میاں ٹھٹھہ لالہ کے زمیندار چودھری شیر علی مونڑاں نے اپنے درجنوں ساتھیوں سمیت قادیانیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ تفصیلات کے مطابق جناب چودھری شیر علی صاحب کو قادیانیوں نے مختلف موضوعات پر تشکیک میں مبتلا کر دیا اور وہ اُن کے دھوکے میں آ گئے۔ علاقہ کے مسلمانوں نے اُن سے بات چیت شروع کی اور طے ہوا کہ چودھری شیر علی صاحب مسلمان علماء سے گفتگو کر کے اپنے سوالات اُن کو پیش کریں۔ چناب نگر کی تمام دینی تنظیموں کے سرکردہ رہنماؤں خصوصاً عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا غلام مصطفیٰ نے متفقہ طور پر مجلس احرارِ اسلام کے رہنما اور مسجدِ احرار کے خطیب مولانا محمد مغیرہ سے درخواست کی کہ وہ چودھری صاحب کے سوالات سماعت فرمائیں اور انہیں جوابات دیں۔ چنانچہ علاقہ کے بڑے زمیندار مہر احمد شیر لالی کے ڈیرہ پر گفتگو کا اہتمام ہوا۔ جس میں علاقہ بھر کے مسلمان بھی کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ مولانا محمد مغیرہ نے چودھری شیر علی صاحب سے حیات ونزولِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، مسئلہ ختم نبوت، ظہورِ مہدی اور دیگر موضوعات پر تقریباً چار گھنٹے گفتگو کی۔ محترم چودھری شیر علی صاحب نے مولانا کے دلائل سے متاثر ہو کر اپنے درجنوں ساتھیوں سمیت اسلام قبول کرلیا اور قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ مولانا غلام مصطفیٰ، علاقہ کے دیگر علماء اور مسلمان عوام نے مولانا محمد مغیرہ کو زبردست داد اور چودھری شیر علی صاحب کو مبارک باد دی۔ سینکڑوں مسلمانوں نے ختم نبوت زندہ باد، اسلام زندہ باد اور قادیانیت مردہ باد کے نعرے بلند کئے۔

ادارہ

اخبار الاحرار

(مجلس احرار اسلام کی تنظیمی سرگرمیاں)

لاہور (10 رجنوری) مجلس احرار اسلام اور تحریکِ تحفظِ ختم نبوت کے رہنماؤں سید عطاء المہیمن بخاری، چودھری ثناء اللہ بھٹہ، پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ اور میاں محمد اویس نے بنگلہ دیش میں سرکاری طور پر قادیانی لٹریچر کی اشاعت و تقسیم پر پابندی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کی فتح اور قادیانیوں کی شکست سے تعبیر کیا ہے اور بنگلہ دیش حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے ذریعے قادیانیوں کو باقاعدہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اسلامیانِ بنگلہ دیش میں پائی جانے والی بے چینی ختم کرے۔ ایک مشترکہ بیان میں احرار رہنماؤں نے کہا کہ بنگلہ دیشی زبان میں قرآنِ مجید کے غلط تراجم اور اسلام کی خود ساختہ تعبیر کرنے والے فتنہ ارتداد کا اپنے منطقی انجام تک پہنچنے کا وقت قریب آتا جارہا ہے اور دنیا بھر میں قادیانیت جیسے فریب کا پردہ چاک ہو رہا ہے۔ احرار رہنماؤں نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ امت کو قادیانی فتنے کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے تحریکِ تحفظِ ختم نبوت جاری رہے گی۔ احرار رہنماؤں نے حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ غیر جانبدارانہ طور پر قادیانیوں کی مردم شماری کر کے قوم کو آگاہ کریں تاکہ عوام قادیانیوں کی اصل آبادی سے آگاہ ہو سکے۔

☆☆☆

اسلام آباد (12 جنوری) سپریم کورٹ آف پاکستان نے ساہیوال کے مشہور مقدمہ قتل کے پانچ قادیانی ملزمان کے بلاضمانتی وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے ہیں اور سیشن جج اور ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر ساہیوال کو حکم دیا ہے کہ وہ تمام ملزمان کو گرفتار کر کے سپریم کورٹ کو فوراً اطلاع کریں۔ یاد رہے کہ 26 اکتوبر 1984ء کو مشن چوک ساہیوال کے قریب قادیانیوں نے مسلح ہو کر مجلس احرار اسلام ساہیوال کے صدر اور جامعہ رشیدیہ کے مدرس قاری بشیر احمد حبیب اور اظہر رفیق کو شہید کر دیا تھا، جس کے بعد ملٹری کورٹ ملتان نے ملزمان کو سزائیں سنائیں۔ بعد ازاں بے نظیر بھٹو کے دور میں سزاؤں میں تخفیف کر دی گئی اور ہائی کورٹ نے ملزمان کی رٹ درخواست منظور کرتے ہوئے ان کی رہائی کا حکم دیا جس کے خلاف شہداء ختم نبوت کیس کے مدعی اور مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے سپریم کورٹ میں درخواست برائے اجازت اپیل دائر کی جو منظور ہوئی۔ اپیل کی باقاعدہ سماعت جسٹس چودھری افتخار احمد کی سربراہی میں قائم بنچ نے کی۔ اپیلانٹ کی جانب سے چودھری علی محمد ایڈووکیٹ نے پیروی کی، جن کا موقف سماعت کرنے کے بعد عدالتِ عظمیٰ نے قادیانی ملزمان محمد الیاس منیر (مربی)، عبدالقدیر، حاذق رفیق طاہر، نثار اور نعیم الدین کے بلاضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے ہیں اور متعلقہ ضلعی حکام کو حکم جاری کیا ہے کہ وہ ملزمان کو گرفتار کر کے سپریم کورٹ اسلام آباد کو اطلاع کریں جس کے بعد رجسٹرار سپریم کورٹ دو ہفتے کے اندر اندر اپیل سماعت کے لیے فکس کریں گے۔

☆☆☆

اوکاڑہ (12 جنوری) مجلس احرارِ اسلام اوکاڑہ کے کارکنوں کا ایک اجلاس مقامی صدر جناب شیخ نسیم الصباح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شرکاء اجلاس نے اوکاڑہ میں جماعت کی تنظیم سازی کے حوالے سے مختلف تجاویز پر غور کیا اور مارچ میں شہداء ختم نبوت کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ علاوہ ازیں مجلس احرار اسلام اوکاڑہ کے صدر شیخ نسیم الصباح اور جنرل سیکرٹری شیخ مظہر سعید نے اپنے بیان میں بنگلہ دیش میں سرکاری طور پر قادیانی لٹریچر کی اشاعت و تقسیم پر پابندی کا خیر مقدم کیا اور بنگلہ دیش حکومت سے مطالبہ کیا کہ بنگلہ دیش حکومت پارلیمنٹ کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ہر قسم کی تبلیغ کو خلافِ قانون قرار دے کیونکہ قادیانی ملک و ملتِ اسلامیہ کے کھلے دشمن ہیں۔

☆☆☆

لاہور (13 ر جنوری) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری، نائب امیر چودھری ثناء اللہ بھٹہ، ناظم اعلیٰ پروفیسر خالد شبیر احمد، نائب ناظم اوّل سید محمد کفیل بخاری، نائب ناظم دوم میاں محمد اویس اور ناظم نشر و اشاعت عبداللطیف خالد چیمہ نے اپنے مشترکہ بیان میں دینی مدارس پر چھاپوں اور ممتاز روحانی شخصیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مولانا سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کی گرفتاری اور اُن سے بدسلوکی کی پُر زور مذمت کی ہے۔ احرار رہنماؤں نے کہا کہ نام نہاد روشن خیال جدّت پسند حکومت نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خاتمہ کے نام پر روحانی شخصیات کو بھی اذیت دینا شروع کر دی ہے جو علمی و دینی طبقات کے لئے قطعاً ناقابلِ برداشت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مدارسِ دینیہ پر چھاپے قادیانی و یہودی لابی کو خوش کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے لیکن ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے حکومت اپنے عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ احرار رہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے ساتھ روا رکھے گئے اس شرمناک فعل پر حکمران اُن سے معذرت کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ والوں کے دُکھے دل سے نکلی ہوئی آہ امریکہ کی منظورِ نظر حکومتِ وقت کے لئے وبالِ جان بن جائے۔

☆☆☆

رحیم یار خان (14 جنوری) مجلس احرار اسلام ضلع رحیم یار خان کے کارکنوں کا ایک اہم اجلاس 14 جنوری کو بستی مولویان میں منعقد ہوا۔ خوش قسمتی سے قائدِ احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ بھی ضلع رحیم یار خان کے دورے پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ اجلاس انہی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ حضرت قائدِ احرار نے فرمایا کہ احرار کارکن جماعت کو فعال بنانے کے لیے متحرک ہو کر مؤثر کردار ادا کریں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ''مجلس احرارِ اسلام کا قیام اور بقا ایک شرعی امر ہے۔ لہٰذا ہمیں شریعت کی حفاظت اور نفاذ کے لیے انتھک جدوجہد کرنی چاہیے۔ متحدہ ہندوستان میں احرار کے قیام کے دو مقاصد تھے۔ (1) انگریزی اقتدار سے ملک کی آزادی (2) مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ۔ چھپن سال گزرنے کے بعد آج بھی ہمارے مقاصد وہی ہیں۔ انگریز چلا گیا مگر اس کی فکری اولاد اقتدار پر قابض ہے۔ تب برطانیہ کے غلام تھے، آج امریکہ کے غلام ہیں۔ لہٰذا وطنِ عزیز پاکستان کو امریکی سامراج سے آزاد کرانے اور اپنے عقائد کے تحفظ کے لیے ہمیں ایک طویل اور انتھک جدوجہد کرنا ہوگی۔ قائدِ احرار نے بستی پروچڑاں، خان پور، بستی اسلام آباد، شہباز پور اور جامعہ قادریہ رحیم یار خان میں مختلف اجتماعات سے خطاب کیا۔ ضلع رحیم یار خان کے اجتماع میں مولانا ابو معاویہ فقیر اللہ رحمانی، حافظ عبدالرحیم، مولوی بلال احمد، غلام قادر چوہان اور صوفی محمد اسحاق کے علاوہ بہت سے کارکنوں نے شرکت کی۔

چیچہ وطنی (16 جنوری) مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ اسلام نے ویسٹرن سول لائزیشن سے صدیوں پہلے آزادیٔ رائے کا تصور دیا تھا' تاہم اس آزادی کے اردگرد ایک لکیر بھی کھینچتی تھی تا کہ آزادی کے نام پر کوئی دوسرے کا حق غصب نہ کرے اور معاشرہ عدم توازن کا شکار نہ ہو۔ وہ مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کی جانب سے چیچہ وطنی پریس کلب اور انجمن صحافیاں کے نومنتخب عہدیداران اور شہر کے صحافیوں کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج دنیا میں جنگ میڈیا کے زور پر لڑی جا رہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری نوجوان نسل میڈیا ٹیکنالوجی میں اپنے اہداف و مقاصد سامنے رکھ کر مہارت حاصل کرے۔ انہوں نے کہا کہ چیچہ وطنی کی صحافی برادری نے ہمیشہ ہماری سرگرمیوں کی اشاعت میں بھرپور تعاون کیا اور تحریک ختم نبوت اور تحریک ناموس صحابہ کے سلسلہ میں مختلف مواقع پر مقامی صحافیوں نے جس جذبے اور جرأت کے ساتھ جو مؤثر کردار ادا کیا' اس کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ پریس کلب کے سرپرست محمد اسلم شیخ نے کہا کہ مجلس احرار اسلام حریتِ فکر اور تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں قوم کی جس انداز میں رہنمائی کر رہی ہے۔ صحافتی حلقے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انجمن صحافیاں کے صدر محمد صدیق سرفراز چشتی نے کہا کہ اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعتوں کے ساتھ صحافتی تعاون ہماری ذمہ داری ہے اور یہ تعاون ہر حال میں جاری رہے گا۔ حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر، حافظ احمد معاویہ اور حکیم محمد قاسم نے بھی خطاب کیا۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (23 / جنوری) برطانیہ کے ممتاز مذہبی سکالر اور ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری نے کہا ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد مخلوق کا اللہ سے تعلق جوڑنا اور مظلوم انسانیت کو ظلم سے نجات دلانا تھا۔ آج ہم اپنے اصل مقصدِ زندگی سے انحراف کے مرتکب ہو رہے ہیں اور دشمن کے ہتھیار کا توڑ پیدا کرنے کی بجائے محض تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ وہ مرکزی جامع مسجد عثمانیہ میں نماز جمعۃ المبارک کے اجتماع اور دفتر مجلس احرار اسلام جامع مسجد چیچہ وطنی میں ''عصرِ حاضر میں دینی کارکنوں کی ذمہ داریاں'' کے عنوان سے منعقدہ فکری نشست سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں کی بجائے ''اسلام'' ہے۔ جبکہ چائنا اقتصادی طور پر عالمی مارکیٹ میں امریکہ کے لیے خطرہ پیدا کر چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام بطور نظریہ آج بھی اپنی برتری کے ساتھ پوری طرح زندہ و توانا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جبکہ کفریہ نظام ہائے ریاست نظریاتی اور فکری طور پر مفلوج ہیں اور اسلام کا بھی مقابلہ نہیں کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ بھٹکی ہوئی انسانیت تو نجات دہندہ کی تلاش میں ہے۔ راستہ تو ہم نے دکھانا تھا' ہم خود ہی منزل سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دجالی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اصل پر واپس آ جائیں اور نئی صف بندی کی فکر کریں۔ انہوں نے کہا کہ تمام تر نامساعد حالات کے باوجود اہل حق کو مایوسی اور مرعوبیت سے نکل کر مگر جذباتیت سے ہٹ کر اپنا لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں احرار کارکنوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہئے انہوں نے کہا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری سمیت اکابر احرار نے قادیانی دجل و فریب کے سامنے جو بند باندھا تھا اس کے اثرات پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اور اب خود قادیانیوں پر بھی حقیقت آشکار ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فکری ارتداد کا راستہ روکنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم نوجوانوں کو تعلیم اور میڈیا کے حوالے سے جدید انداز میں تربیت کریں اور ہر محاذ پر رجال کار تیار کئے جائیں۔ انہوں نے مراکزِ احرار چیچہ وطنی کا دورہ کیا اور مجلس احرار اسلام کی دینی و تعلیمی سرگرمیوں کو سراہا۔ انہوں نے چک نمبر 42-12 ایل میں حافظ عبدالرشید کی عیادت کی اور مدرسہ رحیمیہ میں دعا کرائی۔ علاوہ ازیں عبداللطیف خالد چیمہ اور قاری محمد قاسم کے ہمراہ ساہیوال میں جامعہ رشیدہ اور جامعہ اشرفیہ کا دورہ بھی کیا اور دعا کرائی۔ بعدازاں

24 جنوری کومولانا محمد عیسیٰ منصوری نے عبداللطیف خالد چیمہ، ڈاکٹر شاہد کاشمیری اور محمد معاویہ رضوان کے ہمراہ ملتان کا سفر کیا۔ مرکزِ احرار دارِ بنی ہاشم' ملتان میں انہوں نے قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری اور سید محمد کفیل بخاری سے ملاقات اور تبادلۂ خیال کیا۔ وہ خالد چیمہ کے ہمراہ جامعہ خیرالمدارس اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر بھی گئے اور پروفیسر سید محمد ذوالکفل بخاری کے نکاح مسنونہ کی تقریب میں بھی شریک ہوئے اور دعا کرائی۔ بعد نماز مغرب انہوں نے مسجد سراجاں حسین آگاہی میں ''نئی صدی کے چیلنج اور ہماری ذمہ داریاں'' کے عنوان پر سیر حاصل گفتگو کی اور کراچی روانہ ہوگئے۔

اہلیانِ میر ہزار خان کے لیے خوشخبری

احرار پبلک ہائی سکول (رجسٹرڈ)

کا قیام

نزد چوک ابوبکر صدیق، میر ہزار خان، تحصیل جتوئی (ضلع مظفر گڑھ)

نئے تعلیمی سال سے حفظ قرآن کریم اور ہوسٹل کی سہولت کے ساتھ ایک مثالی ادارہ جو ابن امیر یعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کی سرپرستی اور مجلس احرار اسلام کے زیر انتظام' آپ کی خدمت میں مصروف ہے۔

محمد اصغر لغاری' پرنسپل احرار پبلک ہائی سکول میر ہزار خان تحصیل جتوئی (ضلع مظفر گڑھ)

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

☆ دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان ☆ 26 فروری 2004ء بروز جمعرات، بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری

دامت برکاتہم

(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

الداعی: سید محمد کفیل بخاری ناظم جامعہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان فون: 061-511961

ساغر اقبالی

آخری صفحہ

◂◂ ایک اخبار کے دفتر میں‘ کاتب نے لکھتے ہوئے‘ ایڈیٹر کو آواز دی: ’’حضور! پاؤ کالم رہ گیا ہے‘ اس کے لئے میٹر دے دیجئے۔ ‘‘ ایڈیٹر پکارتا ہے۔ لکھو ’’آج چوک میں دو تانگوں کی ٹکر ہوگئی‘ تین آدمی زخمی ہوگئے، ایک کی حالت خراب ہے۔ آگے خود بڑھالو۔ ‘‘ ......تھوڑی دیر بعد کاتب پھر پکارتا ہے...... ’’حضور! دو تین سطریں پھر بھی خالی بچتی ہیں‘‘۔ ایڈیٹر فرماتے ہیں: ’’اچھا اِن میں خبر کی تردید دے دو کہ ہم نے تحقیق کی تو یہ خبر سراسر غلط ثابت ہوئی۔ (ابنِ انشاء)

◂◂ آخری عمر میں بیماری کے باوجود اکبر کی شوخی وظرافت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ ایک روز ایک دوست آئے اور مزاج کا حال دریافت کیا‘ اُنہوں نے فوراً یہ شعر پڑھا ؎

اگر کچھ زندگی باقی ہے‘ اچھا ہو ہی جاؤں گا
وگرنہ جس طرح سب سو گئے ہیں‘ سو ہی جاؤں گا

◂◂ ایک دفعہ جب اکبر کے بیٹے عشرت حسین ولایت میں تھے اور مدت تک اُن کا کوئی خط نہ آیا تو یہ شعر لکھ کر بھیجے دیئے:

عشرتی ! گھر کی محبت کا مزا بھُول گئے کھاکے لندن کی ہوا عہد وفا بھُول گئے
پہنچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی کیک کو چکھ کے سویّوں کا مزا بھُول گئے
موم کی پُتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھُول گئے

◂◂ اکبر الہ آبادی نے عزیز نام کا ایک منشی رکھا کہ جو وہ شعر کہیں‘ وہ لکھتا رہے۔ وہ ہر وقت ان کا منہ تکتا رہتا شعر تو شعر‘ وہ کوئی بات بھی کرتے جوجھٹ لکھ لیتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت اکبر نے بیٹھے بیٹھے کہا ’’كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَان ‘‘ (یعنی ہر چیز مٹنے والی ہے) عزیز نے فوراً نوٹ کرلیا۔ اکبر نے پوچھا ’’کیا لکھا ہے؟‘‘ کہنے لگا ’’یہی لکھا ہے کہ آج صبح آٹھ بج کر دس منٹ پر فرمایا ’’كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَان ‘‘ (کہنے لگے ’’اللہ تم پر رحم کرے‘ اسے کاٹو۔ یہ حضرت اکبر کا فرمایا ہوا نہیں ہے۔ حضرتِ ربِ اکبر (اللہ) کا ہے۔ ‘‘ پھر اُسی وقت یہ شعر کہہ دیا ؎

سب کو فنا ‘ خدا کو بقا ‘ بات حق یہ ہے
میں کیا کہوں گا ‘ ہے یہ خدا کی کہی ہوئی

بیاد

مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی

حضرت مولانا
ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ 28 نومبر 1961ء

مدرسہ معمورہ ملتان

کی توسیع کے لیے مدرسہ سے ملحق مکان 26 لاکھ روپے میں خرید کر تعلیم شروع کر دی گئی ہے۔ مدرسہ 7 لاکھ روپے کا مقروض ہے۔ یہ رقم مارچ میں بہر صورت ادا کرنی ہے۔ اہل خیر احباب و متعلقین فوری توجہ فرمائیں اور اس کارِ خیر کی تکمیل میں بھرپور تعاون فرمائیں۔

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان

✪ الحمدللہ درجہ حفظ وناظرہ تعلیم قرآن کریم، درجہ کتب درس نظامی اور شعبہ پرائمری میں اس وقت 150 طلباء زیر تعلیم ہیں ✪ 7 اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں ✪ 50 طلباء مدرسہ میں رہائش پذیر ہیں ✪ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ قائم ہے۔ جس میں حفظ قرآن کریم اور دورۂ حدیث تک تعلیم دی جاتی ہے ✪ مدرسہ معمورہ، مجلس احرار اسلام کے شعبۂ تعلیم ”وفاق المدارس الاحرار“ سے ملحق ہے ✪ ملک کے مختلف شہروں میں 36 دینی مدارس، وفاق المدارس الاحرار کے زیر انتظام چل رہے ہیں ✪ 15 مدارس کے اخراجات وفاق المدارس کے ذمہ ہیں ✪ مدرسہ معمورہ اور جامعہ بستانِ عائشہ کا ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ سے بھی الحاق ہے اور اسی کے نصاب کے مطابق تعلیم دی جارہی ہے۔

الداعی الی الخیر: (ابن امیر شریعت) سید عطاء المہیمن بخاری مہتمم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان
فون: 061-511961

MADRASAH MAMURAH
Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan-Pakistan. Tel #061-511961
Current Account # 3017-2 U.B.L. Kutchery Road, Multan.

Monthly "NAQEEB-E-KHATM-E-NABUWWAT" Multan. Regd. M. No. 32

قربانی کی کھالیں

مجلس احرار اسلام کو دیجئے

آپ کے تعاون کا صحیح مصارف

تحفظ ختم نبوت اور محاسبہ مرزائیت

دینی مدارس کے غریب اور مسافر طلباء کی خدمت

دینی لٹریچر کی اشاعت اور تقسیم

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان

مدرسہ معمورہ دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

رابطہ
ملتان: 061-511961
لاہور: 042-5865465
چیچہ وطنی: 0445-482253
چناب نگر: 04524-211523